[illegible] میں علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائد اعظمؒ کی خواہش پر عمل میں آیا

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ماہنامہ

طلوعِ اسلام

لاہور

بدل الاشتراک	ٹیلیفون	قیمت فی پرچہ
سالانہ پاکستان۔ 170 روپے غیر ممالک۔ 800 روپے	5714546/6541521 idara@toluislam.com خط و کتابت ناظم ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) 25 بی گلبرگ 2 لاہور	-/15 روپے
شمارہ نمبر 09	ستمبر 1999ء	جلد 52

Bank Account No. 3082-7, National Bank of Pakistan, Main Market Gulberg Branch, Lahore

ادارت

مدیر:
محمد سلیم اختر

مجلس مشاورت

ڈاکٹر صلاح الدین اکبر (اردو سیکشن)
محترمہ شمیم انور (انگلش سیکشن)

سرکولیشن مینجر: مرزا محمد زمرد بیگ
کمپوزر: شعیب حسین

انتظامیہ

چیئرمین :- ایاز حسین انصاری
ناظم :- محمد لطیف چوہدری
ناشر :- عطا الرحمان ارائیں

قانونی مشیران

جناب عبداللہ ثانی ایڈووکیٹ
جناب ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ
جناب محمد اقبال چوہدری ایڈووکیٹ

پرنٹرز: آفتاب عالم پریس، 13 ہسپتال روڈ، لاہور ---فون: 7232584

فہرست

لمعات	ادارہ	3
شراب کہن	علامہ غلام احمد پرویز	8
شہدائے جنگ ستمبر کی یاد میں	ادارہ	15
ہر بہی خواہ کا گلہ گھونٹنے والی قوم	ادارہ	21
فہم قرآن	علامہ اسلم جیراجپوری	23
سدرۃ المنتہی	ادارہ	27
ختم نبوت سب سے خوبصورت نعمت	جمیل احمد عدیل	29
احمدیت کے حربے	محمد اسلم نوید	32
بھارت سے الحاق کی اصل حقیقت	جی ایم میر	34
رزق الٰہی اور عالمی بھوک	ملک طارق محمود	41
بہترین تحریکی کارکن	ارشاد احمد دانش	47
Waiting for a Messiah	Akbar Mushtaq	59

An Exposition of Dr. Sir Allama Iqbal's Poem

[redacted] Dua" 64

By The (Late) Khawja [redacted] Rafique

Translated by Khawja Muhammad Iqbal

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

طلوع اسلام

مسلمان طبعاً بڑا جذباتی واقع ہوا ہے۔ سیمابیت اس کی رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے ہے۔ مشتعل مزاجی گویا اس کی فطرت میں داخل ہے۔ اگر کہیں خارجی اسباب ایک وقت کے لئے اس کے شعلہ جوالہ کو آتش خاموش میں تبدیل بھی کر دیں تو بھی اس کی کیفیت یہ رہتی ہے کہ ذرا سی ہوا دینے سے اس کی دبی ہوئی چنگاریاں پھر سے بھڑک اٹھتی ہیں۔ اس کے ربطِ ہستی کے بظاہر خاموش تاروں کو جذبات کے مضراب سے ذرا چھیڑ کر دیکھئے' پوشیدہ نغمے کن بیتابیوں سے نکلتے اور فضا کو مرتعش کرتے چلے جاتے ہیں۔ برصغیر ہند میں' گئوسالہ پرست سامریوں کی نگہ باریک بیں نے اس کی اس سیمابیت کو بھانپا اور اس سے فائدہ اٹھانے کی تدبیر سوچی۔ ہندوؤں نے' ہندوستان میں اپنی حکومت قائم کرنے کے لئے جو "تحریک آزادی" جاری کر رکھی تھی مسلمان کو مذہب کے نام پر اس میں الجھایا گیا۔ یہ اس میں الجھا اور الجھتے ہی بگولے کی طرح اٹھ کھڑا ہوا اور ہندوستان کے طول و عرض میں ایک طوفان برپا کر دیا۔ 19-1918ء سے 1930ء تک اس کی یہی کیفیت رہی۔ بظاہر نظر آتا تھا کہ یہ ایک بلند مقصد کی خاطر طوفانوں کے طمانچے کھا رہا ہے لیکن دیکھنے والی آنکھیں دیکھتی تھیں کہ یہ درحقیقت ایک حرکت تھی بلا مقصد۔ ایک سفر تھا بلا تعینِ منزل۔ نہ اس کے سامنے کوئی نصب العین تھا اور نہ ہی اس کا علم کہ یہ جوش و خروش اور یہ وجد و رقص بالآخر ہے کس مطلب کے لئے؟ اس محشرستان تشتّت و انتشار میں اللہ کا ایک بندہ اٹھا جسے مبداء فیض کی کرم گستری نے دانش برہانی کے ساتھ بصیرتِ قرآنی سے بھی نوازا تھا۔ اس نے حالات کا بغائر مطالعہ کیا اور (1930ء میں) الٰہ آباد کے مقام پر مسلم لیگ کے خطبۂ صدارت میں مسلمانوں کے سامنے ایک واضح نصب العین رکھ دیا جسے (بعد میں) پاکستان کے نام سے پکارا گیا۔ ایک عرصہ تک مسلمان اپنے سابقہ جوش و خروش میں منہمک رہا اور اس نے اس تصور پر دھیان نہ دھرا تاآنکہ 1937ء میں اس مرد قلندر کی دوربین نگاہوں نے ایک ایسے وکیل کو بھانپ لیا جس کی فراست و دیانت پر پورا بھروسہ کیا جا سکتا تھا۔ اس نے حصولِ پاکستان کا فریضہ اس رہبرِ فرزانہ کے سپرد کر دیا۔

قائداعظم مرحوم میں یہ صلاحیت موجود تھی کہ وہ اس مخالفت کے طوفان کا تنہا مقابلہ کر لیتے جو ہندو اور انگریز کی طرف سے اس مقصد کے حصول میں ہونی تھی لیکن "علماء" کا وہ گروہ جس نے مذہب کے نام پر اس کی مخالفت میں اٹھنا تھا' ان کی

روک تھام کے لئے انہیں مدد کی ضرورت تھی۔ یہ "قرعہ فال" طلوع اسلام کے نام پڑا۔ ان "علماء" کی جماعت میں ایک تو نیشنلسٹ گروہ تھا جو متحدہ قومیت کا حامی اور پاکستان کا مخالف تھا۔ ان کی مخالفت ایک ایسے دشمن کی طرح تھی جو ہاتھ میں کھلا خنجر لے کر سامنے آئے۔ لیکن دوسرا گروہ جماعت اسلامی والوں کا تھا جو ایک طرف متحدہ قومیت کے بھی مخالف تھے اور دوسری طرف تحریک پاکستان کے بھی دشمن۔ ان کی مخالفت (غالب کے الفاظ میں) "آستیں میں دشنہ پنہاں" کی سی مخالفت تھی جو پہلے گروہ سے بھی زیادہ خطرناک تھی۔ طلوع اسلام نے جس پامردی اور جگرداری سے ان کھلے اور نقاب پوش دشمنوں کا مقابلہ کیا اس کے فائل اس کی زندہ شہادت ہیں۔ للہ الحمد کہ وہ جانگسل اور زہرہ گداز مرحلہ بھی بحسن و خوبی طے ہوا اور ان تمام مخالفتوں کے علی الرغم پاکستان وجود میں آگیا۔

تشکیل پاکستان کے بعد ہماری زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوا اور اس دور کے تقاضوں کے پیش نظر طلوع اسلام کا بھی نیا دور (1948ء سے) شروع ہوا۔ پاکستان ایک خطہ زمین ہے جس میں ہمیں یہ اختیار حاصل ہے کہ ہم جس طرح کا معاشرہ جی چاہے متشکل کر لیں۔ طلوع اسلام کی تحریک پاکستان سے دلچسپی صرف اس بناء پر تھی کہ وہ چاہتا تھا کہ ہمیں ایک ایسا خطہ زمین حاصل ہو جائے جس میں ہم اس معاشرہ کو قائم کر سکیں جسے قرآن نے ملت اسلامیہ کے لئے تجویز کیا ہے اور جو پہلی بار محمد رسول اللہ والذین معہ کے مبارک ہاتھوں سے سرزمین عرب میں متشکل ہوا تھا۔ اس خطہ زمین کے حصول کے بعد، طلوع اسلام کے ذمے یہ فریضہ عائد ہوا کہ وہ بتائے کہ اس قرآنی معاشرہ کے خط و خال کیا ہیں اور وہ کس طرح وجود میں آسکے گا۔ طلوع اسلام کی اکاون سالہ جدوجہد اس مقصد کے حصول کی آئینہ دار ہے۔ یہ مقصد ایسا تھا جس سے نہ کسی کو اختلاف ہونا چاہئے تھا نہ پرخاش۔ لیکن ہماری بدبختی کہ "علمائے کرام" کا وہی گروہ جو پہلے حصول پاکستان کی مخالفت کرتا تھا، یہاں پہنچ کر قرآنی معاشرہ کے قیام کی مخالفت پر کمربستہ ہو گیا۔ تحریک پاکستان میں انہیں یہ صدمہ تھا کہ ان کی قیادت و امامت، محمد علی جناح نے چھین لی۔ اور اب انہیں خطرہ ہے کہ اگر یہاں قرآنی معاشرہ قائم ہو گیا تو ان کا وجود ہی ختم ہو جائے گا۔ اس کے برعکس اگر یہاں ان کی مرضی کے مطابق "نظامِ شریعت" قائم ہو گیا تو پھر عملاً اقتدار کی کرسیاں انہی کے قبضے میں رہیں گی۔ ارباب مذہب کے علاوہ، اربابِ اقتدار کی بھی یہی خواہش ہے کہ یہاں قرآنی معاشرہ نہ بننے پائے اس لئے کہ اس سے ان کی تمام مفاد پرستیاں خوابِ پریشاں بن کر رہ جاتی ہیں۔ قرآن جس طرح مذہبی پیشوائیت کا دشمن ہے اسی طرح انسانی استبداد اور سرمایہ پرستی کو بھی جڑ سے اکھاڑتا ہے۔ یہ ہے وہ چوکھیا لڑائی جو طلوع اسلام کو یہاں لڑنی پڑ رہی ہے۔ ملا کے پاس نہ علم ہوتا ہے نہ بصیرت۔ نہ دلائل ہوتے ہیں نہ براہین۔ لیکن اس کے پاس ایک ایسا خطرناک حربہ ہوتا ہے جس کا جواب فریق مقابل کے پاس کچھ نہیں ہوتا۔ یہ حربہ ہے "کفر کا فتویٰ" یا لیبل۔ وہ دلیل کے بجائے ایک لیبل تراشتا ہے اور فریق مقابل پر چسپاں کر دیتا ہے، اور اس سے عوام کے جذبات مشتعل کر دیتا ہے۔ یہی حربہ اس نے طلوع اسلام کے خلاف استعمال کیا۔ ہندوستان میں اس نے مشہور کر رکھا تھا کہ یہ "گورنمنٹ کا پرچہ" ہے۔ یہاں پہنچ کر اس نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ "منکر حدیث" ہے۔ جس قسم کا کذب وہ تھا اسی قسم کا افترا یہ ہے۔ اس قسم کے حربے وقتی طور پر تو کارگر ہو جاتے ہیں لیکن جھوٹ کا اثر دیرپا نہیں ہوتا۔ اس لئے ان کا یہ افترا طلوع اسلام کی آواز کو دبا نہیں سکا۔ اس کے برعکس، اس کا

... بتدریج وسیع ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اس لئے کہ یہ قرآن کا پیامبر اور اس کے عطا کردہ عالمگیر نظام ربوبیت کا علمبردار

طلوع اسلام نہ کسی مذہبی فرقہ کا موید ہے نہ کوئی نیا فرقہ بنانا چاہتا ہے۔ اس لئے کہ قرآن کی رو سے فرقہ بندی شرک ہے۔ نہ ہی طلوع اسلام کسی سیاسی پارٹی کا حامی یا نقیب ہے۔ اس لئے کہ قرآن کی رو سے' ملت اسلامیہ کا پارٹیوں میں بٹ جانا عذاب ہے۔ طلوع اسلام کسی مفاد پرست گروہ یا جماعت کا بھی موید نہیں۔ اس لئے کہ انفرادی مفاد پرستی کا تصور غیر قرآنی ہے۔ جہاں تک حکومت کا تعلق ہے اس میں شبہ نہیں کہ مملکت پاکستان کا تحفظ اور استحکام طلوع اسلام کے بنیادی مقاصد میں سے ہے لیکن حکومت کی طرف سے (یا کسی اور کی طرف سے) جو فیصلے ایسے ہوں جن کی تائید قرآن سے ہوتی ہو' یہ ان کی حمایت کرتا ہے اور جو قدم قرآن کے خلاف اٹھے' اس کی مخالفت اس کا اولین فریضہ ہے۔ غرضیکہ طلوع اسلام' قرآن کا علمبردار اور قرآنی نظام ربوبیت کا پیامبر ہے۔ یہی اس کی زندگی کا نصب العین اور یہی اس کی ہستی کے جواز کی دلیل ہے۔ ہماری آپ سے یہ استدعا ہے کہ جب تک آپ دیکھیں کہ یہ قرآنی فکر کی اشاعت کرتا ہے' آپ اس کا ساتھ دیں اور اگر کہیں دیکھیں کہ اس کا قدم (خدانکردہ) اس جادہ استوار سے ڈگمگا رہا ہے' تو اسے فوراً متنبہ کر دیں۔

✿ ✿ ✿ ✿ ✿ ✿ ✿ ✿ ✿ ✿ ✿

پیپلز کلیرنگ ایجنسی
کسٹم ہاؤس سے منظور شدہ
کلیرنگ اینڈ فارورڈنگ ایجنٹ

۲۵ سالہ تجربہ کار

کلیرنگ اور فارورڈنگ کے معاملات میں ایک قدم آگے
ہمارے ۲۵ سالہ تجربہ سے دوسروں کے مقابلے میں زیادہ فائدہ۔
ہم آپکی خدمت کیلئے ہمہ وقت تیار ہیں۔

۵۔ وقار سینٹر، فرسٹ فلور رام بھارتی اسٹریٹ، جوڑیا بازار، کراچی
فون: ۲۴۲۶۱۲۸
۲۴۲۷۵۳۷-۲۴۲۱۰۴۵
فیکس نمبر: ۲۴۱۹۷۸۲
ٹیلیکس: ۲۱۰۴۳ BTC PK

CONVENTION 99

IDARA TOLU-E-ISLAM

EMAIL idara @ toluislam.com

PROGRAMME

Oct 16, 99 Starting 3 PM Sharp at Base Camp Lahore.

Past, Present & Future of Tolu-e-Islam Movements	Orators— Members of Tolu-e-Islam Movement (Please register your name With Idara by Sep 30, 1999)

Oct 17, 99 Starting 9 AM Sharp at Labour Hall, Nisbat Road

Seminar—Fundamental Rights/ Obligations & Quran	Orators — Open to Public (Please register your name before Sep 30, 1999)

Oct 17, 99 Starting 3 PM Sharp from Base Camp Lahore

Site seeing and meeting People and distribution of Tolu-e-Islam Literature	Intending Delegates & Members of Lahore Bazm.

Oct 18, 99 Starting 10 AM Sharp at Base Camp Lahore

General Council Meeting	For Members only. Delegates may attend as observers.

FAREWELL BY CHAIRMAN

ALL THOSE INTERESTED ARE CORDIALLY INVITED– NO CARD NEEDED

نماز کی اہمیت

میں نے ایسی باتیں بھی سنی ہیں کہ بعض اراکین بزم یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اب جو اسلام کو سمجھا ہے' اس کی بناء پر نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا "طلوع اسلام" نے آپ کو یہی تعلیم دی ہے کہ نماز نہ پڑھنے پر فخر کرو؟ آپ نے غیر قرآنی روش زندگی کو تو نہ چھوڑا' اور اس کے بجائے اس قسم کی باتیں کرنے لگ گئے۔ اور ستم بالائے ستم کہ اپنے آپ کو طلوع اسلام کی تحریک سے وابستہ ظاہر کر کے ایسی باتیں کرنے لگے۔ طلوع اسلام پر آخر یہ کتنا بڑا الزام ہے جو آپ نے عاید کر دیا۔

ذاتی طور پر مجھ میں بھی کمزوریاں ہیں اور میں ہمیشہ اپنی کمزوریوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ لیکن یہ انتہائی ظلم ہے کہ ہم اپنی کمزوریوں کے لئے جواز کی صورتیں تلاش کرنے لگ جائیں۔ آپ قرآنی نظریات کے خلاف سب کچھ کر رہے ہیں۔ تجارت' کاروبار' شادی' رشتے ناطے سب کچھ ہو رہا ہے۔ بینک بیلنس برابر قائم ہیں۔ قرآن کے مطابق انہیں بدلنے کیلئے آپ کے ذہن میں کبھی کچھ نہیں آیا۔ پھر نماز کے بارے میں ایسا کیوں ہے؟ ہم معاشرے میں اصلاح کا آغاز اپنے گھروں سے ہی کر سکتے ہیں لیکن اگر پہلے خود ہی نماز روزہ چھوڑ دیں تو پھر اصلاح کس طرح ہو گی؟ خدارا اپنے قول و عمل کو بصیرت' علم اور خلوص پر مبنی رکھئے" مقدس بہانے" تلاش نہ کیجئے بلکہ اعتراف کیجئے اپنی کمزوریوں کا۔ ہم نے قرآنی معاشرہ قائم کرنا ہے جو صرف نیک اور پاکباز زندگی بسر کرنے سے قائم ہو سکے گا۔

(پرویز صاحب کی ایک تقریر سے اقتباس' بحوالہ منزل بہ منزل' صفحہ 35-36)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شراب کہن

طلوع اسلام ستمبر 1979ء میں شراب کہن کے عنوان سے پرویز صاحب کے چھ خطبات شائع ہوئے تھے۔ ان خطبات کے سلیس انداز بیان اور افادی حیثیت کے پیش نظر ایک بار پھر ان خطبات کو قارئین طلوع اسلام کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ گذشتہ شمارہ میں اس سلسلہ کا پہلا خطبہ شائع ہو چکا ہے۔ اس دفعہ دوسرا اور تیسرا خطبہ ملاحظہ فرمایئے۔ (مدیر)

قانون مکافات عمل

قال اللہ تعالیٰ :

فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ (زلزال - آیات 8-7)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو شخص ایک ذرہ برابر بھی بھلائی کرتا ہے اسے اس کی جزاء ملتی ہے اور جو شخص ایک ذرہ برابر برائی کرتا ہے اسے اس کی سزا ملتی ہے۔

پچھلے خطبہ میں یہ بتایا گیا تھا کہ دین ہمیں مستقل اقدار دیتا ہے۔ جو کام ان مستقل اقدار کے مطابق کیا جائے اسے نیکی کہتے ہیں۔ جو ان کے خلاف کیا جائے وہ برائی کہلاتی ہے۔ پیشتر اس کے کہ یہ بتایا جائے کہ وہ مستقل اقدار کیا ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرمؐ پر نازل کردہ وحی کے ذریعے قرآن مجید میں عطا کیا ہے' ایک اور بات کا سمجھ لینا نہایت ضروری ہے۔

آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے ہاں ٹریفک کا قانون یہ ہے کہ سڑک کے بائیں ہاتھ چلو۔ آپ کسی ایسے چوراہے پر کھڑے ہو جائیں جہاں عام طور پر تانگے۔ سائیکل وغیرہ آتے جاتے ہوں۔ آپ دیکھیں گے کہ تانگے والا دور سے دیکھے گا کہ چوراہے پر ٹریفک کا سپاہی ہے یا نہیں۔ اگر سپاہی کھڑا ہے تو وہ بائیں ہاتھ چل کر موڑ مڑے گا لیکن اگر سپاہی نہیں ہے تو وہ جھٹ سے دائیں ہاتھ کی طرف ہو لے گا۔ اگر سپاہی کہیں چھپا کھڑا ہے تو وہ تانگے والے کو پکڑ لے گا اور اسے اس قانون شکنی کی سزا ملے گی۔ اگر سپاہی وہاں فی الواقعہ موجود نہیں تو تانگے والا دندناتا ہوا چلا جائے گا۔ کوئی اسے پوچھے گا بھی نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تانگے والے نے غلط کام تو کیا ہے لیکن اسے اس کی سزا نہیں ملی۔

یا اگر وہاں سپاہی موجود ہے اور وہ دیانت دار نہیں تو تانگے والا اسے دو چار آنے کے پیسے دے کر چھوٹ جائے گا۔

اس صورت میں بھی وہ اپنے جرم کی سزا سے بچ جائے گا۔ یا اگر سپاہی نے اس کا چالان کر دیا ہے لیکن (بدقسمتی سے) مجسٹریٹ دیانت دار نہیں تو بھی مجرم سزا سے بچ جاتا ہے۔ آپ غور کیجئے کہ کتنے لوگ ہیں جو قانون شکنی کے باوجود اس طرح سزا سے بچ جاتے ہیں اور دل میں خوش ہوتے اور فخر کرتے ہیں کہ ہم سب کچھ کرتے ہیں لیکن ہمارا کوئی بال بیکا نہیں کر سکتا۔

قانون شکنی اور اس کی سزا کی ایک صورت تو یہ ہے۔ اب دوسری صورت دیکھئے۔ ہمارے محلے میں ایک شخص بیمار تھا۔ ڈاکٹر نے اس کے مرض کی تشخیص کی۔ دوائی دی اور ساتھ ہی تاکید سے کہہ دیا کہ تم نے میٹھا نہیں کھانا۔ اگر ایسا کرو گے تو مرض بڑھ جائے گا۔ ڈاکٹر بڑا قابل تھا۔ علاج بھی نہایت عمدگی سے ہو رہا تھا لیکن مریض کو فائدہ ہونے کے بجائے' دن بدن اس کی حالت خراب ہوتی جا رہی تھی۔ ڈاکٹر صاحب اس سے پوچھتے کہ تم میٹھا تو نہیں کھاتے۔ وہ پورے یقین کے ساتھ کہہ دیتا کہ بالکل نہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی سمجھ میں بات نہیں آتی تھی کہ آخر ماجرا کیا ہے۔ اسے آرام کیوں نہیں آتا۔ ایک دن جبکہ کمرے میں کوئی نہیں تھا' مریض کی بیوی نے دیکھا کہ وہ چپکے سے میٹھا کھا رہا ہے۔ وہ جھٹ سے اوپر جا پہنچی اور اس سے کہا کہ آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟ اس نے کہا کہ اس وقت کون سے ڈاکٹر صاحب دیکھ رہے تھے۔ میں تو ہر روز ایسا ہی کرتا ہوں۔

آپ نے غور کیا کہ تانگے والے نے بھی حکم کی خلاف ورزی کی اور اس بیمار نے بھی حکم کی خلاف ورزی کی۔ تانگے والے کو اگر کسی نے نہیں دیکھا تو اس کا کچھ نقصان نہیں ہوا۔ وہ حکم کی خلاف ورزی کی سزا سے بچ گیا۔ لیکن یہ مریض' ڈاکٹر کے حکم کی خلاف ورزی کی سزا سے نہیں بچ سکا۔ یہ اس کے حکم کے خلاف میٹھا کھاتا رہا اور اس کی سزا یہ تھی کہ اس کی بیماری برابر بڑھتی رہی۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑا کہ اسے کوئی شخص دیکھتا تھا یا نہیں دیکھتا تھا۔ ڈاکٹر وہاں موجود تھا یا نہیں تھا۔ فرض کیجئے کہ اسے کوئی شخص میٹھا کھاتے دیکھ لیتا اور وہ اسے دس روپے دے کر اس کی منت کرتا کہ یہ بات ڈاکٹر کو نہ بتانا۔ اس صورت میں بھی وہ اپنے جرم کی سزا سے بچ نہیں سکتا تھا۔ میٹھا اپنا مضر اثر برابر کئے جاتا۔ اس کی تکلیف بڑھتی چلی جاتی۔ اس سے ظاہر ہے کسی کو اس قسم کے جرم کی سزا سے نہ رشوت بچا سکتی ہے نہ سفارش۔ جو اس قسم کا جرم کرتا ہے اسے اس کی سزا بھگتنی پڑتی ہے۔ دنیا کی کوئی طاقت اسے اس سزا سے بچا نہیں سکتی۔

ایک اور شخص کا واقعہ سنئے۔ اس کی صحت بڑی اچھی تھی اور وہ فخر سے لوگوں سے کہا کرتا تھا کہ دیکھئے! سال بھر ہوا' ڈاکٹروں نے مجھ سے کہہ دیا تھا کہ اگر تم نے میٹھا کھانا کم نہ کیا تو مر جاؤ گے۔ میں برابر میٹھا کھا رہا ہوں۔ لیکن میرا کچھ بھی نہیں بگڑا۔ ایک دن معلوم ہوا کہ وہ اچھا بھلا سویا۔ آدھی رات کے وقت اسے دورہ سا پڑا۔ صبح ڈاکٹر کے ہاں لے گئے تو [illegible]ں نے کہا کہ اس کے بچنے کی بہت کم امید ہے۔ یہ مسلسل میٹھا کھاتا رہا ہے۔ اس نے اس کی حالت سخت خراب کر دی ہے۔ آپ سمجھے کہ اس کا مطلب کیا ہے؟ مطلب یہ کہ اس شخص پر میٹھا اپنا اثر برابر کر رہا تھا۔ لیکن اسے اس کا احساس [illegible] ہوتا تھا۔ وہ مضر اثر بڑھتا گیا تاآنکہ ایک دن اس کی حالت اس قدر خراب ہو گئی کہ اس کی جان کے لالے پڑ گئے۔ [illegible] اسے ڈاکٹر کے حکم کی خلاف ورزی کی سزا تو برابر مل رہی تھی لیکن وہ اسے محسوس نہیں کرتا تھا تاآنکہ ایک دن مرض [illegible]ے اسے سختی سے پکڑ لیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض جرائم ایسے ہیں کہ ان کی سزا کا اثر بہت دیر میں جا کر نمودار ہوتا [illegible] مجرم سمجھتے ہیں کہ ہمارا کچھ نہیں بگڑ رہا لیکن یہ ان کی بھول ہوتی ہے اندر ہی اندر ان کا سب کچھ بگڑ رہا ہوتا ہے۔

[illegible]ب ایک اور مثال سنئے۔ ایک شخص محنت مزدوری کر کے کچھ کماتا ہے اور اپنی حلال کی کمائی سے گھی خرید کر لاتا

ہے۔ گھی کھانے سے اس کی طاقت بڑھتی ہے۔ دوسرا شخص کسی کی جیب کاٹتا ہے اور پولیس کی گرفت سے بچ جاتا ہے۔ و جو روپیہ اس طرح حاصل کرتا ہے اس کا گھی خرید کر لاتا ہے۔ گھی کھانے سے اس کی بھی طاقت ویسے ہی بڑھتی ہے جیسے پہلے شخص کی۔ یعنی جہاں تک انسان کے جسم کی صحت اور طاقت کا تعلق ہے' گھی یکساں اثر کرتا ہے خواہ وہ حلال کی کمائی سے خریدا جائے یا حرام کی کمائی سے۔ اس سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص (جس نے چوری کے روپے سے گھی خریدا تھا) اپنے جرم کی سزا سے بالکل بچ گیا۔ یہ پولیس کی گرفت سے بچ نکلا اس لئے اسے عدالت سے سزا نہ ملی اور خالص گھی کھاتا رہا اس لئے (میٹھا کھانے والے مریض کی طرح) اس کی صحت پر بھی برا اثر نہ پڑا۔ اس سے لوگ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ اگر انسان ایسا انتظام کر لے کہ وہ پولیس کی گرفت میں نہ آسکے۔ یا اسے عدالت سزا نہ دے۔ تو پھر اس کے جرم کی سزا کہیں سے نہیں ملتی۔

قرآن کریم کہتا ہے کہ یہ غلط ہے۔ چوری کے پیسوں کا گھی کھانے سے انسان کے جسم پر کوئی برا اثر نہیں پڑتا۔ لیکن انسان کے جسم کے علاوہ ایک اور چیز بھی ہے جسے اس کی ذات کہتے ہیں۔ حلال کی کمائی سے انسان کی ذات میں طاقت آتی ہے۔ حرام کی کمائی سے جو کچھ کھایا جائے اس سے اس کی ذات بیمار ہو جاتی ہے۔ اس چیز سے انسان کو کوئی نہیں بچا سکتا۔ وہ پولیس کی گرفت سے بچ جائے۔ وہ عدالت کو رشوت دے کر یا سفارش پہنچا کر یا کسی اور طریق سے اپنا اثر ڈال کر' بری ہو جائے۔ لیکن اسے اس کے جرم کی سزا مل کر رہتی ہے۔ یہ سزا اس کے جسم کو نہیں بلکہ اس کی ذات کو ملتی ہے۔ اس سے اسے کوئی نہیں بچا سکتا۔

سوال یہ ہے کہ یہ سزا کون دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے ایسا قانون مقرر کر رکھا ہے کہ جو لوگ مستقل اقدار کے مطابق زندگی بسر کریں' انہیں اس کا عمدہ اور خوشگوار بدلہ ملے اور جو لوگ ان اقدار کی خلاف ورزی کریں' انہیں اس کی سزا ملے۔ خدا کا یہ قانون اس قدر محکم اور مضبوط ہے کہ اس کی زد سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ اِنَّ بَطْشَ رَبِّکَ لَشَدِیْدٌ (85:12)- "یہ حقیقت ہے کہ تیرے رب کی گرفت بڑی سخت ہوتی ہے"۔ اس قانون کو جس کے مطابق انسان کے ہر ایک کام کی جزاء یا سزا مل کر رہتی ہے' قانون مکافات عمل کہتے ہیں۔ یعنی انسانی اعمال کا بدلہ ملنے کا قانون۔ آپ پولیس والے کی نگاہ سے بچ سکتے ہیں لیکن خدا کے اس قانون کی نگاہ سے نہیں بچ سکتے۔ وہ خدا جس کی کیفیت یہ ہے کہ یَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ (سورۃ المومن۔ آیت 19)- "جو نگاہوں کی خیانت اور دل میں چھپائے ہوئے ارادوں تک سے واقف ہے"۔ یعنی اس کا قانون مکافات صرف اسی وقت گرفت نہیں کرتا جب کوئی شخص جرم کا مرتکب ہو جائے۔ وہ اس وقت گرفت کرتا ہے جب جرم کا خیال اس کے دل میں پیدا ہو۔ اس کا ارشاد ہے کہ نَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ (سورۃ ق۔ آیت 16)- "انسان کا دل جو وسوسے اس کے اندر پیدا کرتا ہے ہم انہیں بھی جانتے ہیں۔ (جانیں کیوں نہ؟) ہم اس کی رگ جان سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں"۔ ہم نے اپنے قانون مکافات عمل کی میزان کھڑی کر رکھی ہے جس میں ہر شخص کے اعمال (بلکہ اس کے خیالات اور ارادے) تلتے رہتے ہیں۔ فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ ○ "سو جو شخص ذرہ بھر بھی بھلائی کرتا ہے وہ بھی اس کے سامنے آجاتی ہے وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ (الزلزال- آیت 8-7)- "اور جو شخص ذرہ برابر بھی برائی کرتا ہے وہ بھی اس کے سامنے آجاتی ہے۔ ان جرائم کی سزا سے کوئی شخص کسی صورت میں بھی بچ نہیں سکتا۔ لَا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا۔ اس بارے میں کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے کام نہیں آسکتا۔ وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ

سے کوئی سفارش قبول نہ کی جا سکتی ہے۔ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ۔ نہ ہی کوئی شخص کچھ معاوضہ دے کر چھوٹ سکتا ہے۔ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ (البقرہ آیت 48) اور نہ ہی ایسے لوگوں کو کسی قسم کی مدد دی جا سکتی ہے۔ یہ ہے خدا کا قانون مکافات۔

مسلمان وہ ہے جو خدا کے اس قانون مکافات عمل پر پورا پورا یقین رکھے۔ اسی کو ایمان کہتے ہیں۔ یاد رکھئے جو شخص جرم کرتے وقت یہ سمجھتا ہے کہ مجھے کون دیکھتا ہے۔ یا جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ میں رشوت دے کر۔ سفارش پہنچا کر یا اثر ڈال کر جرم کی سزا سے بچ جاؤں گا وہ خدا کے قانون مکافات پر ایمان نہیں رکھتا۔

چونکہ اسلامی مملکت' قوانین خداوندی کو دنیا میں نافذ کرنے کا ذریعہ ہوتی ہے اس لئے اس مملکت میں کوئی مجرم اپنے جرم کی سزا سے نہیں بچ سکتا۔ اس میں نہ رشوت کام دے سکتی ہے نہ سفارش۔ نہ کسی کا اثر و رسوخ کچھ کر سکتا ہے نہ اس کا عہدہ یا مرتبہ اس کے کسی کام آسکتا ہے۔ اس میں جو شخص قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے وہ اپنے کئے کی سزا پاتا ہے۔ جو قانون کا احترام کرتا ہے وہ عزت اور امن کا مستحق ہوتا ہے۔ یہ غیر متبدل اصول ہے۔ یہ مستقل قدر ہے جسے کوئی نہیں بدل سکتا۔ والسلام

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دیر ہے -- اندھیر نہیں

قال اللہ تعالیٰ :

إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ (سورہ انعام۔ آیت 21)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اس بات پر اچھی طرح سے یقین رکھو کہ ظالم کی کھیتی کبھی پروان نہیں چڑھ سکتی۔ ظلم کرنے والے کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔

گزشتہ خطبہ میں ہم نے بتایا تھا کہ خدا کے قانون مکافات کے مطابق انسان کا ہر کام نتیجہ مرتب کر کے رہتا ہے۔ جو بھلائی کرتا ہے اسے اس کی جزاء ملتی ہے جو برائی کرتا ہے وہ اس کی سزا پاتا ہے۔ خدا کے اس قانون میں کبھی کوتاہی نہیں ہوتی۔ اس میں کوئی شخص کمی بیشی نہیں کر سکتا۔ وہ خطبہ سننے کے بعد ایک شخص میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ جو کچھ آپ نے کہا تھا اس پر ہمارا ایمان تو ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لیکن معاف فرمایئے۔ ہم جو کچھ دنیا میں اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں وہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ خدا کا فرمان تو یہ ہے کہ ظالم کی کھیتی کبھی پروان نہیں چڑھتی۔ ظلم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ بددیانتی اور بے ایمانی ہمیشہ نقصان دیتی ہے۔ جو دوسرے کا برا کرتا ہے اس کا ہمیشہ برا ہوتا ہے۔ جو مظلوم کو ستاتا ہے وہ کبھی چین سے نہیں بیٹھ سکتا۔ جو غریبوں کو لوٹتا ہے وہ تباہ اور برباد ہو جاتا ہے۔ جو کمزوروں پر ہاتھ اٹھاتا ہے اس کے ہاتھ ٹوٹ جاتے ہیں۔ جو کسی کے لئے کنواں کھودتا ہے وہ خود کنویں میں گرتا ہے۔ لیکن ہم دیکھتے یہ ہیں کہ دنیا میں ہوتا اس کے بالکل الٹ ہے۔

دور کیوں جائیں۔ ہم نے خود پاکستان میں جو کچھ ہوتے دیکھا ہے وہ اس کی زندہ شہادت ہے کہ ظالم کی کھیتی پروان چڑھتی ہے اور مظلوم ہمیشہ تباہ اور برباد ہوتا ہے۔ دولت مند لوگ اپنی دولت کے نشے میں بدمست سب کچھ کرتے ہیں اور انہیں کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا۔ وہ غریبوں پر ہر قسم کا ظلم ڈھاتے ہیں' وہ ان کی محنت کی کمائی ان سے زبردستی چھین لیتے

ہیں' ان کے ہاتھوں نہ ان غریبوں کی جان محفوظ ہوتی ہے نہ مال' نہ عزت بچ کر رہتی ہے نہ آبرو' وہ در بدر دھکے کھاتے ہیں' ایک ایک کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں۔ وہ ہر صاحب اقتدار سے عدل و انصاف کی بھیک مانگتے ہیں لیکن ان کی جھولی میں کہیں سے ایک ٹکڑا نہیں پڑتا۔ ان ظالموں' خونخواروں کے کتے ریشمی گدوں پر سوتے ہیں اور بیچاری بیواؤں کے یتیم بچوں کو سردی سے بچنے کے لئے لحاف تک نصیب نہیں ہوتا۔ معاف فرمایئے! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ خدا کا قانون مکافات کہاں چلا جاتا ہے؟ ہمیں بتایا یہ جاتا ہے کہ دیانت داری سے کاروبار میں برکت ہوتی ہے۔ لیکن ہم نے دیکھا یہ ہے کہ کاروبار چلتا ہی اس کا ہے جو بددیانتی کرے۔ ایمانداری سے کام کرنے والا چار دن میں اپنی پونجی بھی ضائع کر کے بیٹھ جاتا ہے لیکن بددیانتی کرنے والے سونے کے محلات بناتے چلے جاتے ہیں۔ معلوم نہیں خدا کا قانون مکافات کون سی دنیا میں چلتا ہے۔ ہماری دنیا میں تو یہی قانون ہے کہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس۔ ہمارے ہاں تو مسلسل یہی قانون چلتا آرہا ہے۔

جس شخص نے ہم سے یہ باتیں کیں وہ بڑا دکھی تھا۔ ہم نے بڑے اطمینان اور سکون سے ان باتوں کو سنا۔ یہ باتیں تنہا اس ایک شخص کے دل کی آواز نہیں تھی۔ ہزاروں' لاکھوں مظلوم انسان ہیں جن کے دل میں اس قسم کے خیالات آتے ہیں۔ ان میں سے بعض لوگ ان خیالات کو زبان تک لے آتے ہیں باقی اپنے دل کے اندر رکھتے ہیں۔ یہ خیالات ایسے نہیں جنہیں یونہی سن کر ٹال دیا جائے۔ ان پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے اور ٹھنڈے دل سے سوچنا چاہئے کہ اگر خدا کا قانون مکافات برحق ہے (اور اس کے برحق ہونے میں کسے شبہ ہو سکتا ہے؟) تو پھر دنیا میں ایسا کیوں ہوتا ہے؟

بات بڑی اہم ہے اس لئے اسے بڑی توجہ سے سننا چاہئے۔ اسے ایک مثال سے سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ اکتوبر۔ نومبر کا مہینہ ہے۔ زمینیں گیہوں کی بوائی کے لئے تیار ہیں۔ ان دنوں کسانوں کے گھروں میں عام طور پر غلے کی کمی ہوتی ہے لیکن انہوں نے بیج کے لئے غلہ سنبھال کر رکھا ہوتا ہے۔ دو کسان ہیں جن کے گھروں میں فاقوں تک کی نوبت آرہی ہے۔ ان میں سے ایک کسان اپنے بیج کا غلہ لیتا ہے اور چکی پر جا کر آٹا پسوا لاتا ہے۔ اس کے گھر میں رات کو تازہ تازہ گیہوں کی روٹیاں پکنے لگ جاتی ہیں۔ وہ اور اس کے بیوی بچے پیٹ بھر کر روٹی کھاتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں کہ ان کی مصیبت کٹ گئی۔ دوسرا کسان غلہ باہر لے جاتا ہے اور کھیت میں بیج ڈال دیتا ہے۔ اس کے گھر میں بدستور تنگی رہتی ہے۔ اسے اور اس کے بیوی بچوں کو گیہوں کی روٹی دیکھنی تک نصیب نہیں ہوتی۔ یہ ہر روز کھیت پر جاتا ہے اور دن بھر محنت کرتا ہے۔ لیکن شام کو پھر خالی ہاتھ واپس گھر آجاتا ہے۔ دوسرا کسان اپنا بیل بیچ کر چند دن کے لئے پھر مزے اڑاتا ہے۔ پھر زمین رہن رکھ دیتا ہے اور بڑی خوش حالی سے دن گزارتا ہے۔ لیکن اس کا ہمسایہ سخت مصیبت کے دن کاٹتا ہے۔ ایک مہینہ۔ دو مہینے۔ تین مہینے۔ چار مہینے۔ پانچ مہینے۔ چھ مہینے۔ صبح سے شام اور شام سے صبح' برابر محنت کرتا ہے لیکن اسے کھیت میں سے ایک وقت کی روٹی بھی نہیں ملتی۔ اس کے بچے اس سے برابر پوچھتے رہتے ہیں کہ بابا! ہمارا ہمسایہ کوئی کام نہیں کرتا اور وہ اور اس کے بچے عیش اڑاتے ہیں' ہم دن رات محنت کرتے رہتے ہیں اور ہمیں ٹکڑا تک نصیب نہیں ہوتا۔ ہم نے سنا تھا کہ محنت اپنا پھل لاتی ہے لیکن ہماری محنت تو کوئی پھل نہیں لاتی۔ ہم تو محنت کرتے ہیں اور خالی ہاتھ گھر آجاتے ہیں وہ ان سے کہتا ہے کہ بیٹا! محنت اپنا پھل لاتی ہے۔ خدا کا قانون بالکل سچا ہے۔ لیکن بیج بونے اور فصل پکنے میں ایک وقفہ ہوتا ہے۔ ایک مدت ہوتی ہے۔ کوئی شخص اس وقفے کو کم نہیں کر سکتا۔ جو شخص ہمت اور استقلال سے اس دوران میں محنت کئے جاتا ہے اور حوصلہ نہیں ہارتا' اس کی محنت اپنے وقت پر پھل لا کر رہتی ہے۔ وہ انہیں یہ

... تنے میں کٹائی کے دن آجاتے ہیں اور اس کسان کا سارا گھر غلے سے بھر جاتا ہے۔ اس کی محنت ... ہے: کَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ (البقرہ- آیت 261)- "اس ... طرح جو سات بالیں اگائے اور ہر ایک بال میں سو سو دانے ہوں"۔ اس طرح اس دیانت دار۔ محنت کش کسان ... ایک دانے کے بدلے سات سات سو دانے ملتے ہیں۔ اس کے برعکس، دوسرا کسان جس نے خدا کے قانون کو ... بیج کے دانے پسوا لئے تھے، اس کا نہ گھر رہا نہ بار۔ نہ ڈھور رہے نہ ڈنگر۔ نہ کھیتی رہی نہ زمین۔ وہ مفلس اور ... ہو کر دربدر کی بھیک مانگنے لگ گیا۔

یہ کیفیت ہے خدا کے قانون مکافات عمل کی۔ وہ بالکل برحق ہے۔ لیکن بیج کے بونے اور کھیتی کے پکنے میں وقت ضرور لگتا ہے۔ جو اس سے تنگ نہیں آتا اور ہمت اور استقلال سے تمام مشقتوں کو برداشت کرتا ہے اس کی کھیتی پروان چڑھ جاتی ہے۔ جو مایوس ہو کر، زمین میں بیج نہیں ڈالتا۔ یا جلد بازی میں سبز گیہوں بیلوں کو چرا لیتا ہے، وہ آخرالامر تباہ اور برباد ہو جاتا ہے۔ یہی مثال ظالم کی ہے۔ اس کی کھیتی کبھی نہیں پنپتی۔ لیکن اس کے ظلم کرنے اور ظلم کا نتیجہ برآمد ہونے میں ایک وقفہ ہوتا ہے۔ اگر وہ اس مہلت کے وقفے میں سمجھ جائے۔ اسے ہوش آجائے اور وہ ظلم کو چھوڑ کر مظلوموں کی امداد کرنے لگ جائے۔ وہ غریبوں سے ہمدردی کرے۔ وہ عدل اور انصاف کے راستے ہموار کر دے۔ وہ دیانت اور امانت پر کاربند ہو جائے۔ تو اس کے یہ نیک کام اس کی سابقہ برائیوں کے داغوں کو دھو ڈالتے ہیں۔ لیکن اگر وہ ایسا نہ کرے اور اپنے ظلم اور سرکشی میں بڑھتا ہی چلا جائے تو پھر خدا کا قانون ایسے لوگوں سے پکار کر کہتا ہے کہ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَۙ عَلٰۤى اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ ۙ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ (المعارج- آیت 41)- "ہم اس پر قادر ہیں کہ ان کی جگہ ایسے لوگوں کو لے آئیں جو ان سے بہتر ہوں۔ دنیا میں کوئی قوت ایسی نہیں جو ہمیں ایسا کرنے سے روک دے۔ جو ہمیں عاجز کر دے۔ جو ہم سے آگے بڑھ جائے۔ چنانچہ وہ لوگ، جو ان سے بہتر ہوتے ہیں، آتے ہیں اور ان کے ظلم اور سرکشی کے راستوں کو روک کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور ان کی کلائیاں توڑ دیتے ہیں۔ یوں خدا کا قانون مکافات عذاب بن کر ان کے سر پر مسلط ہو جاتا ہے۔ سورہ انبیاء میں، قرآن کریم نے ان کی اس کیفیت کو بڑے دلکش اور عبرت انگیز انداز میں بیان کیا ہے۔ جہاں کہا ہے کہ وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ- "کتنی ہی بستیاں ہم نے تباہ اور برباد کر دیں جن کے رہنے والے ظالم تھے اور ان کے بعد ہم نے (ان کی جگہ) دوسرے لوگوں کو اٹھا کھڑا کیا"۔ فَلَمَّاۤ اَحَسُّوْا بَاْسَنَاۤ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ- ان ظالموں کی حالت یہ تھی، (وہ ... سرکشیوں میں مست تھے اور انہیں اس کا کچھ علم نہیں تھا کہ ان کے اعمال کے نتائج برآمد ہونے کا وقت آپہنچا ہے۔ ... پہنچے) جب انہوں نے ہمارے عذاب کو محسوس شکل میں اپنے سامنے دیکھا تو اس سے بھاگنے لگے۔ ہمارے قانون مکافات ... پکارا کہ لَا تَرْكُضُوْا- اب مت بھاگو۔ (تم بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتے)۔ وَارْجِعُوْۤا اِلٰى مَاۤ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَ مَسٰكِنِكُمْ وہ بڑے بڑے محلات (جو تم نے غریبوں پر ظلم کر کے تعمیر کئے تھے)۔ وہ تمہاری آسائش گاہیں (جن میں تم ... و عشرت کے سامان جمع کر رکھے تھے) تم ان کی طرف واپس چلو۔ لَعَلَّكُمْ تُسْئَلُوْنَ (الانبیاء- آیات 13-11)- ... سے پوچھا جائے (کہ تم نے یہ دولت کہاں سے لی تھی)۔ انہیں اس طرح پکڑا جائے گا۔ قَالُوْا يٰوَيْلَنَاۤ اِنَّا كُنَّا ... اور وہ اس کا اقرار کریں گے کہ ہم نے واقعی لوگوں پر ظلم اور زیادتی سے یہ سب کچھ اکٹھا کیا تھا۔ فَمَا ... دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ (ایضا" آیات 15-14)- وہ ایسا پکارتے رہیں گے۔

(لیکن اس وقت ان کا یہ اعتراف اور اقرار انہیں کچھ فائدہ نہیں دے گا)۔ ہمارا قانون مکافات انہیں ایسا بنا دے گا جیسے کٹے ہوئے کھیت۔ یا بجھے ہوئے شعلے (کہ جن کی صرف راکھ باقی رہ جائے)۔ یوں خدا کا قانون مکافات' ظالموں اور سرکشوں کو آخرالامر تباہ اور برباد کر دیتا ہے۔

لیکن جن لوگوں کے ہاتھوں وہ انہیں تباہ اور برباد کراتا ہے ان سے واضح الفاظ میں کہہ دیتا ہے کہ تم یہ نہ سمجھ لینا کہ تم جو جی میں آئے کرو تمہارا کچھ نہیں بگڑے گا۔ ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ (سورہ یونس۔ آیت 14)۔ پھر ہم نے ملک میں تمہیں ان کا جانشین بنایا تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کس قسم کے کام کرتے ہو۔ انہوں نے ظلم کیا تو وہ تباہ اور برباد ہو گئے۔ تم ظلم کرو گے تو تم بھی تباہ اور برباد ہو جاؤ گے۔ خدا کا قانون مکافات نہ کسی پر ظلم کرتا ہے نہ کسی کی رعایت کرتا ہے۔

مسلمان وہ ہے جو اس حقیقت پر یقین رکھے کہ عمل اور اس کے نتیجے میں وقفہ ضرور ہوتا ہے لیکن ایسا نہیں ہو سکتا کہ عمل بد اپنا نتیجہ مرتب نہ کرے۔ ظلم کی کھیتی جھلس کر رہتی ہے خواہ اس میں کتنی دیر کیوں نہ لگے۔ والسلام۔

THE BEST INVESTMENT

Pamphleteering has proved to be the best way of spreading Quranic knowledge. One pamphlet of average size cost Rs 10,000 and with it you can illuminate *5000* homes with Quranic wisdom. Lovers of Quran are invited to invest liberally. They can deposit their shares of money in Account NO. 3082-7 National Bank of Pakistan Main Market Branch, Gulberg, Lahore or directly in the office of Idara Tolu-e-Islam.

Chairman
Idara Tolu-e-Islam

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شہدائے جنگ ستمبر 1965ء کی یاد میں

زندہ قومیں، ان واقعات کی یاد تازہ کرنے کی تقاریب، جنہوں نے ان کو حیات تازہ عطا کی ہو، بڑے خلوص و احترام، تزک و احتشام اور جوش و خروش سے مناتی ہیں۔ تاریخ پاکستان میں دو واقعات ایسے گذرے ہیں جنہوں نے ہمیں فی الواقعہ حیات تازہ عطا کی تھی۔ ایک یوم آزادی اور دوسرا، ستمبر 1965ء کی جنگ۔۔۔ چونکہ ہم خود ہی زندگی کی حرارت سے محروم ہو رہے ہیں، اس لیے ان حیات بخش واقعات کی، ان کے شایان شان، یاد منانا تو ایک طرف، رفتہ رفتہ انہیں حافظہ ہی سے محو کیے جا رہے ہیں۔
طلوع اسلام کے نزدیک ان واقعات کا شمار ایام اللہ میں ہوتا ہے، اس لیے ان کی یاد تازہ رکھنا اپنا فریضہ سمجھتا ہے۔
امسال جنگ ستمبر کے حوالہ سے چند ایسی یادداشتیں ہدیہ قارئین کی جا رہی ہیں جن کا شمار نوادرات میں ہونا چاہئے۔ امید ہے ان سے ہمارے عروق مردہ میں کچھ تو حرارت پیدا ہو گی۔ (مدیر طلوع اسلام)

شہید کے نام بہن کا خط : شہید ملت میجر عزیز بھٹی (نشان حیدر) کی شہادت کی خبر سن کر ان کی ہمشیرہ نے ان کی یاد میں ایک خط کراچی سے لکھا جو 4 اکتوبر کے اخبارات میں شائع ہوا تھا۔ خط حسب ذیل ہے!

پیارے راجہ بھائی! میں گھر سے بہت دور تھی کہ تمہاری شہادت کی خبر ملی۔ وطن پر قربان ہونے والوں میں تمہارا نام آیا تو تمہیں پتہ ہے تمہاری بہن پر کیا گذری؟ تم سوچتے ہو گے کہ میں تمہاری یاد میں سسکیاں بھرتی ہونگی۔ نہیں بھیا! میں نے ایسا نہیں کیا۔ میں نے تمہاری تصویر اٹھائی۔ اسے آنکھوں سے لگایا اور پھر آپ ہی آپ بے ساختہ میرے منہ سے یہ الفاظ نکل گئے۔

تو نے بہن کی لاج رکھ لی۔ بھیا تو کتنا بہادر نکلا

بھیا میں روئی بھی تھی۔ رونا اس لئے نہیں آیا تھا کہ راجہ ویر کو اب کبھی نہیں دیکھ سکوں گی۔ بلکہ آنکھیں اس لئے بھیگیں کہ کاش میں تمہارے قریب ہوتی اور شہید کا منہ چوم سکتی۔

تم سوچتے ہونگے کہ میں پاگل ہو گئی ہوں جو تم سے باتیں کر رہی ہوں۔ لیکن تم تو زندہ ہو۔ ہمیشہ زندہ تھے اور ابد تک زندہ رہو گے۔ شہید کبھی نہیں مرتے۔ اچھا بھیا۔ خدا حافظ اپنی بہن کی دعائیں قبول کرو۔

(تمہاری بہن۔ زیب رانی۔ کراچی)

بیٹے کی جگہ : خاکی شلوار اور قمیص میں ملبوس۔ سر پر ٹوپی اور گلے میں تھیلا لٹکائے سفید ریش بزرگ نے کمانڈنگ آفیسر کو سلوٹ کیا۔ اور جذبات سے تھرتھراتی ہوئی آواز میں کہا، صاحب! میں اپنے شہید بیٹے کی جگہ پر کرنے حاضر ہو گیا ہوں۔ میں مشین گن چلانے میں مہارت رکھتا ہوں۔ اور جذبہ شہادت سے سرشار ہوں۔ میں خوش ہوں کہ میرے بیٹے نے قوم، ملک اور اسلام کی راہ میں اپنی جان قربان کی۔ ایک تو کیا۔ اگر سو بھی ہوتے تو اس راہ میں قربان کر دیتا۔

یہ بزرگ تھے کیپٹن سوندے خاں۔۔۔ شہید غلام اکبر علی نائب صوبیدار کے والد۔ جو بیٹے کی شہادت کی خبر سنتے ہی ان کی جگہ لینے کمانڈنگ آفیسر کے پاس پہنچ گئے۔ یہ سن کر کمانڈنگ آفیسر کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

بابا جی! جزاک اللہ! جس قوم میں آپ جیسے والدین اور بزرگ موجود ہوں اسے دنیا کی کوئی طاقت شکست نہیں دے سکتی۔

ابا جی کی شہادت کے بعد : افواج پاکستان کے کچھ مجاہدین

سیالکوٹ محاذ کی طرف جاتے ہوئے ایک بستی کے قریب برلب سڑک رک گئے۔ بستی کے لوگ انہیں دیکھنے کے لئے جمع ہو گئے۔ ان میں ایک ننھا بچہ بھی تھا جس نے آگے بڑھ کر فوجی انداز میں سیلوٹ کیا۔ ایک فوجی مجاہد کو ننھے کی یہ ادا اسقدر پسند آئی کہ اس نے آگے بڑھ کر اسے اٹھا لیا۔ "کیا تم بھی مجاہد بنو گے بیٹا؟" مجاہد فوجی نے پیار سے سوال کیا۔ "ضرور۔ ضرور۔ ابھی ابھی میرے ابا جی لڑائی میں شہید ہو گئے ہیں۔ میں فوجی بنوں گا اور دشمنوں سے ابا جی کا انتقام لونگا۔"

ایک درویش کا مالی جہاد: شور کوٹ شہر میں ایک حلقہ کے چیئرمین دفاعی فنڈ کے لئے چندہ جمع کر رہے تھے کہ قریب کی بستی کے ایک مشہور درویش ان کے پاس آئے۔ یہ درویش جنہیں علاقہ بھر میں "حاجی صاحب" کے الفاظ سے یاد کیا جاتا تھا۔ مرجع عام و خاص تھے اور گاؤں سے باہر ایک جھونپڑی میں سوت کات کر گذر اوقات کرتے تھے۔ چیئرمین صاحب نے بڑی عقیدت اور احترام سے انہیں خوش آمدید کہا اور کئی سالوں کے بعد پہلی بار اس طرح اپنی جھونپڑی سے باہر اسقدر دور تشریف لانے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے چار سو روپے چیئرمین کے سامنے ڈھیر کر دیئے اور کہا۔۔۔ یہ میری عمر بھر کی حلال کمائی ہے جو میں نے سوت کات کر جمع کی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ یہ پاک سرزمین کے دفاع کے لئے کام آگئی۔

محمود و ایاز ایک ہی صف میں: 18 ستمبر کو قبل از دوپہر ریڈکراس کے دفتر میں خون کا عطیہ پیش کرنے کے لئے بیک وقت دو ایسے خاندانوں کے افراد داخل ہوئے جن میں سے ایک اگر محمود کی سطح پر تھا تو دوسرا ایاز کی حالت میں۔ مگر وطن عزیز کی سلامتی کے لئے یہ دونوں ایک ہی صف میں کھڑے تھے۔ ایک کنبہ مشہور ارب پتی سہگل خاندان کا تھا جس کے افراد جوہر آباد سے کاروں میں سیدھے یہاں پہنچے تھے اور دوسرے دو بھکاری تھے جو اپنے آپ کو پیدل گھسیٹتے آئے تھے۔ نیز ٹی میتو ضلع شیخوپورہ کا ایک [redacted] کسان بھی جو اپنے دور دراز گاؤں سے پیدل چل کر یہاں خون دینے پہنچا تھا۔ وہ کئی گھنٹوں سے بھوکا پیاسا تھا۔ خون لینے سے پہلے اسے کھانا کھلایا گیا۔

ننھے بیٹے کا جذبہ شوق جہاد: فیض باغ کے ننھے مجاہد منصور رشید نے سنا کہ اس کے ابا اسلام کی حفاظت کے لئے میدان جنگ میں جا رہے ہیں تو وہ تیزی سے گھر پہنچا اور اپنے ابا کے پاؤں سے لپٹ کر کہا کہ "ابا جی مجھے بھی ساتھ لے جایئے۔" ابا نے کہا "نہیں بیٹا تم ابھی بہت چھوٹے ہو۔ وہاں جا کر کیا کرو گے۔ وہاں تو قدم قدم پر موت سامنے ہوتی ہے۔" "نہیں ابا! مجھے موت کی کوئی پرواہ نہیں۔ آپ رائفل چلاتے جایئے گا اور میں آپ کو گولیاں اٹھا اٹھا کر دیتا جاؤں گا" منصور رشید نے سینہ تان کر کہا۔ باپ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ ان کا منجھلا بیٹا مسعود رشید پہلے ہی مجاہد فورس میں بھرتی ہو کر ڈیوٹی پر جا چکا تھا۔

مجاہدوں پر ہزار ٹیکسیاں قربان: ایک فوجی گاڑی بلیک آؤٹ کے دوران رات کے اندھیرے میں آگے جانے والی ٹیکسی سے ٹکرا گئی۔ ٹیکسی کی عقبی بتیاں ٹوٹ گئیں اور باڈی کو بھی کافی نقصان پہنچا۔ فوجی گاڑی سے ایک افسر چستی سے باہر نکلا اور ٹیکسی والے سے کہا۔ "چلئے جناب پولیس سٹیشن۔ غلطی میری تھی۔ میرے پاس وقت بہت کم ہے۔ اس لئے تصفیہ کا کام پولیس کے سپرد کر کے مجھے جلد ڈیوٹی پر واپس پہنچنا ہے۔ ٹیکسی والا حیرت سے فوجی افسر کا منہ تک رہا تھا۔ اسے اب تک ایسے ہی لوگ ملے تھے جو اپنی غلطی محسوس کر کے بھاگ کھڑے ہوتے تھے۔ لیکن آج ایک غلطی کرنے والا پولیس کے پاس چلنے کی دعوت دے رہا تھا۔ یہ ملک اور قوم کا جیالا محافظ تھا۔ ٹیکسی والے نے بھی جذبہ صادقہ سے سرشار ہو کر کہا۔

"کوئی بات نہیں حضور! آپ سلامت رہیں گے تو ٹیکسیاں نئی بن جائیں گی۔ جلدی سے ڈیوٹی پر پہنچئے۔ ایسی ہزار ٹیکسیاں آپ پر قربان کی جا سکتی ہیں"۔

---- ورنہ سر پھوڑ لوں گا: ایک سفید ریش بزرگ صبح

سے میو ہسپتال میں خون دینے آئے۔ ڈاکٹر نے اسے ایک نظر دیکھا اور کہا۔ "بابا! ہم پچاس سال سے اوپر کی عمر کے لوگوں کا خون نہیں لیتے۔" بوڑھے بزرگ نے منت سماجت شروع کر دی اور جب ڈاکٹر اس پر بھی رضا مند نہ ہوا تو وہ غصے میں بپھر گیا اور کہا "تو پھر دیکھئے ڈاکٹر صاحب! میں ابھی اپنا سر دیوار سے پٹخ کر اپنا خون بہا دوں گا۔ وہ خون کس کام کا جو آج بھی قوم کے کام نہیں آسکتا"۔ یہ الفاظ کہتے ہوئے وہ سچ مچ دیوار کی طرف بڑھا۔ ڈاکٹر یہ دیکھ کر سہم گیا۔ اسے معاملے کی نزاکت کا احساس ہو گیا۔ اس نے جلدی سے بابا کو روکا اور خون لینے پر رضا مند ہو گیا۔

ہنسی خوشی رخصت کرو: دن کے دس بجے تھے صوبائی دارالحکومت کی ایک تنگ سی گلی کے بوسیدہ مکان میں کچھ عورتیں اور بچے جمع تھے۔ قریب پہنچنے پر معلوم ہوا کہ گھر کی بیوہ مالکہ کا اکلوتا طارق میدان جنگ کے لئے رخصت ہو رہا ہے۔ بوڑھی ماں اپنے نور نظر کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے اپنی ننھی بیٹی سے کہہ رہی تھی۔ "بیٹی! اپنے بھائی کو ہنسی خوشی محاذ پر رخصت کرو"۔ نگہت نے بھائی کو پیار بھری نظر سے دیکھتے ہوئے کہا "یہ لو سعید! روٹیوں کا رومال۔ پاکستان کے نام کی لاج رکھنا۔ تمہاری امی اور بہن کو کہیں دوسروں کے سامنے شرمسار نہ ہونا پڑے۔ خدا تمہارا نگہبان ہو!۔"

آرام کا وقت نہیں: ریڈ کراس بلڈ بنک میں ایک رضا کار' ڈاکٹر صاحب سے کہہ رہا تھا۔ "ڈاکٹر صاحب آپ تھوڑی دیر آرام کر لیں۔ پندرہ دن سے آپ شب و روز مسلسل کام کر رہے ہیں"۔ اور ڈاکٹر نے نہایت اطمینان سے رضا کار کو تھپکی دیتے ہوئے کہا "اٹھارہ برس میں بہت آرام کیا ہے بھائی۔ اب آرام کی مہلت کہاں۔ یہ تو قوم کے لئے مسلسل جدوجہد اور سب کچھ قربان کرنے کا وقت ہے۔ آج کا آرام قوم سے غداری کے مرادف ہے"۔

فلمی ایکٹر میدان جنگ میں: کمانڈر نے محاذ پر علی عباس کہہ کر پکارا تو بھاری بھرکم جسم اور سرخ و سفید چہرے مہرے کا ایک شخص جلدی سے اٹھ کر کمانڈر کی طرف دوڑا۔ فلمی دنیا میں یہ طالش ایکٹر کے نام سے مشہور تھا۔ لوگوں کو علی عباس کے نام پر طالش کو دوڑتے دیکھ کر حیرت سی ہوئی۔ لیکن مصنوعی طالش اب میدان جنگ میں واقعی علی عباس کے حقیقی روپ میں آچکا تھا۔ قوم کی محبت اور وطن کی حفاظت اسے ایک بار پھر فلمی دنیا سے میدان جنگ میں لے آئی تھی۔ جنگ نے کتنے ہی مصنوعی خول چہروں سے اتار پھینکے تھے۔ طالش اگر بازار سے گذرے تو فلمی دنیا کے سینکڑوں پروانے اس شمع کے گرد ہجوم کر آئیں۔ لیکن آج نگاہیں اسی طالش کو اپنے کمانڈر کے حکم پر جنگی چالوں کی مشق کرتے ہوئے زمین پر اوندھے منہ رینگتے دیکھ رہی تھیں۔۔۔ طالش اب علی عباس کے حقیقی اور مجاہدانہ روپ میں نظر آرہا تھا۔ اسی قطار میں اس کے ساتھ ایک صحافی' ایک ٹیکسیوں کا مالک اور ایک چھابڑی فروش بھی کھڑے تھے۔ آج وہ سب ایک تھے۔۔ نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز۔

مجھے مبارک باد دو: گجرات کے ایک گاؤں کالا چور میں میدان جنگ سے ایک شہید نوجوان کی لاش لائی گئی۔ یہ شہید اپنی بوڑھی ماں کا اکلوتا بیٹا تھا۔ ماں بیٹے کی لاش کو دیکھ کر خدا کی بارگاہ میں سربسجود ہو گئی۔ قریب کے گاؤں سے رشتہ دار تعزیت کے لئے آئے تو انہوں نے دیکھا کہ بوڑھی ماں فخر سے سربلند کئے بیٹھی ہے اور چہرے پر کسی رنج و غم کا نام و نشان تک نہیں۔ رشتہ داروں کو دیکھ کر اس نے کہا۔ میرے بیٹے نے ملک اور قوم کی راہ میں جان دی ہے۔ میں ایک شہید کی ماں ہو اس لئے اظہار افسوس کی بجائے مجھے مبارک باد دو۔ یہ سعادت ہر ماں کو نصیب نہیں۔

سب مجاہد میرے بیٹے ہیں: یہ 14 ستمبر کا واقعہ ہے۔ مال روڈ پر ایک بڑھیا سر پر کپڑوں کا ایک بکس اٹھائے ہانپتی کانپتی جا رہی تھی۔ ایک درخت کے قریب پہنچ کر اس نے بمشکل بکس

سر سے اتارا اور درخت کے سائے میں ستانے کے لئے بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر اٹھ کھڑی ہوئی اور قریب سے گذرتے ہوئے ایک نوجوان سے پوچھا کہ مجاہدوں کے لئے کپڑے جمع کرانے کا دفتر کہاں ہے۔ یہ نوجوان ایک اخبار کا نامہ نگار تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر پوچھا کہ بوڑھی اماں! وہاں کس کام جا رہی ہو؟ کیا کوئی مرد گھر پر نہیں تھا؟ بڑھیا کہنے لگی۔ میرا ایک ہی بیٹا تھا وہ فوج میں بھرتی کرا دیا۔ اگلے ماہ اس کی شادی تھی۔ یہ کپڑے اسی کے لئے تیار کرائے تھے۔ اب سوچا کہ انہیں اپنے دوسرے بیٹوں کے لئے کیوں نہ دے آؤں۔" دوسرے بیٹے کون سے بوڑھی اماں؟" نامہ نگار نے پوچھا "تم نہیں جانتے بیٹا؟ کیا یہ سب مجاہد جو ہماری خاطر میدان جنگ میں لڑ رہے ہیں' میرے بیٹے نہیں؟ میں ان سب کی ماں ہوں۔ اور یہ سب مجھے اپنے بیٹے سے بڑھ کر عزیز ہیں۔ انہی کے دم سے تو ملک کا نام روشن اور قوم کی عزت و آبرو محفوظ ہے"۔ یہ کہتے ہوئے بڑھیا قریب ہی واقع ریڈ کراس کے دفتر کی طرف بڑھ گئی۔ اس کی آنکھوں میں ایک نئی چمک تھی اور نامہ نگار حیرت سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔

اپنا ہی خون کام آیا: ارض پاک کی سرحدوں پر بھارتی جارحیت سے ایک روز قبل دو فوجی افسر ریڈ کراس بلڈ ڈونرز سروس میں خون دینے آئے۔ ان سے کہا گیا کہ آپ وطن کی حفاظت کریں۔ خون دینے کے لئے تو ساری قوم موجود ہے۔ لیکن وہ خون دینے پر بضد رہے اور خون دے کر چلے گئے۔ دوسرے دن لاہور سیکٹر پر لڑتے ہوئے ان میں سے ایک افسر زخمی ہو گیا۔ ہسپتال میں اسے جو خون دیا گیا تھا وہ اس کا اپنا ہی خون تھا۔۔۔ کیسی ابھری ہوئی تفسیر ہے یہ اس ارشاد خداوندی کی کہ۔۔ **وما۔۔ تنفقوا من شئی فی سبیل اللّٰہ یوف الیکم** (8:60)- جو کچھ تم خدا کی راہ میں دو گے وہ تمہیں واپس لوٹا دیا جائے گا!

اماں ناراض ہوں گی: ریڈ کراس کے دفتر میں ایک بچہ آیا اور خون دینے کی خواہش کی۔ ڈاکٹروں نے بچے کو سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ چھوٹے بچوں کا خون نہیں لیتے۔ ننھے مجاہد کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور رو کر کہنے لگا کہ اگر آپ نے میرا خون نہ لیا تو امی جی ناراض ہو جائیں گی۔ ابا جان میدان جنگ میں ہیں اور امی نے مجھے ساڑھے چار آنے بس کا کرایہ دے کر یہاں خون دینے کے لئے بھیجا ہے۔ بچے نے کچھ دیر ضد کی لیکن جب ڈاکٹروں نے اسے سمجھایا کہ اس کا خون کیوں نہیں لیا جا سکتا تو وہ واپس چلا گیا۔ واپس جاتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

میدان جنگ سے ایک پیغام: جنگ کے دوران ضلع فیصل آباد کے ایک گاؤں نارا ڈاڈا میں ایک نوجوان مجاہد نے میدان جنگ سے اپنی والدہ کو' جو بیوگی کے دن گذار رہی تھی' یہ پیغام بھجوایا کہ اماں جی میں خیریت سے ہوں۔ میں میدان جنگ سے اسی صورت میں گھر واپس آؤنگا جبکہ میرے وطن کو فتح نصیب ہو گی۔ ورنہ لڑتے لڑتے جان دے دونگا۔ بوڑھی اماں نے یہ پیغام سنا اور آنکھوں میں آنسو آگئے۔ لیکن یہ خوشی کے آنسو تھے۔ اور اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔۔۔ میرے بیٹے تم نے میرا دودھ حلال کر دیا۔

آنسو بہاؤں کیوں؟: شاہدرہ کی ایک بستی لاجپت نگر میں میدان جنگ سے ایک مجاہد کی لاش آئی۔ تو ساری بستی کے لوگ جمع ہو گئے۔ بوڑھے باپ نے پہلے شکرانے کے نفل ادا کئے۔ پھر آہستہ سے اپنے نور نظر کی لاش سے چادر الٹی اور حاضرین کو مخاطب کر کے کہا۔ "میرے بیٹے نے قوم کی لاج رکھ لی۔ دیکھنا شہید کی لاش پر آنسو نہ بہانا۔ میں نے اپنے بیٹے سے وعدہ کیا تھا کہ اگر اس نے وطن کی حفاظت کے لئے جان قربان کی تو میں نہ خود کوئی آنسو بہاؤنگا اور نہ کسی دوسرے کو رونے دونگا۔

یہی کچھ ہے ساقی متاع فقیر: حبیب بنک لمیٹڈ لاہور چھاؤنی میں ایک خستہ حال بوڑھا آیا اور بنک والوں کو آٹھ سو

روپے کی رقم دفاعی فنڈ میں پیش کی۔ اس پوٹلی میں روپے روپے کے نوٹ بھی تھے اور بہت سی ریزگاری بھی۔ بنک کے کلرکوں کے استفسار پر اس نے بتایا کہ وہ ایک غریب آدمی ہے اور یہ رقم اس نے حج کے لئے کئی سالوں میں ایک ایک پیسہ کر کے جمع کی تھی۔ لیکن اب ملک کو اس کی ضرورت ہے۔ جو کچھ جمع کر رکھا تھا سب کا سب اٹھا لایا ہوں۔ ایک پیسہ اپنے پاس باقی نہیں رکھا۔

ہزاروں میل دور سے: امریکہ (کنساس) سے لاہور کے ایک روزنامہ کی وساطت سے ایک پاکستانی نوجوان محمد سلیم بٹ نے صدر مملکت کے نام ایک خط میں لکھا کہ جس دن سے بھارت نے ہماری مقدس سرزمین پر حملہ کیا ہے' ایک پل چین نصیب نہیں۔ میں وطن پہنچنے کے لئے بے قرار ہوں کیونکہ پاکستان کو ایک ایک نوجوان کی ضرورت ہے۔ میرا نام بھی مجاہدین وطن کی فہرست میں شامل کر لیجئے اور جب ضرورت ہو مجھے یہاں سے واپس بلا لیجئے۔ میں یہاں ایک لمحہ ضائع کئے بغیر پاکستان پہنچ جاؤں گا۔

ایک ٹانگ کے بغیر: راجپوت رجمنٹ کا ایک سابقہ سپاہی راولپنڈی ریکروٹنگ آفس میں حاضر ہوا اور محاذ جنگ پر جانے کی خواہش ظاہر کی۔ بندو خاں کی ایک ٹانگ پچھلی جنگ عظیم میں ضائع ہو گئی تھی۔ اس بنا پر فوجی افسران نے اس کے مسلسل اصرار کے باوجود اسے بھرتی کرنے سے معذوری ظاہر کی۔ سپاہی کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور دل شکستہ ہو کر کہنے لگا "جناب رائفل چلاتے ہوئے ہاتھوں سے کام لیا جاتا ہے اور میرے دونوں ہاتھ صحیح کام کر رہے ہیں"۔ آخر فیصلہ ہوا کہ بندو خاں کو ایک آٹو میٹک رائفل دی جائے اور وہ پانچ سو گز سے پانچ نشانے لگائے۔ اگر اس کے نشانے صحیح ہوئے تو اسے بھرتی کر لیا جائے گا۔ بندو خاں نے پانچوں نشانے ٹھیک ٹھیک لگائے اور ریکروٹنگ افسر نے وعدہ کے مطابق اسے بھرتی کر لیا۔

سب کچھ لٹا دیا: لاہور میں چند طالب علم مجاہدوں کے لئے ضرورت کی اشیاء جمع کر رہے تھے۔ انہوں نے ایک گھر کے دروازے پر دستک دی اور اہل خانہ سے کچھ دینے کی اپیل کی۔ اندر سے ایک خاتون باہر آئیں۔ ان کے ہاتھ میں ایک پرانی قمیص تھی۔ اسے دیکھ کر ایک طالب علم نے پوچھا کہ کچھ اور نہیں دیجئے گا آپ؟ خاتون نے گردن جھکائی اور آہستگی سے کہا۔ شوہر اور تین بیٹے وطن کی حفاظت کے لئے دے چکی ہوں۔ اب میرے پاس اللہ کے سوا اور کچھ نہیں۔

باپ کی خوش قسمتی پر ناز: بزم طلوع اسلام' اسلام آباد' کے نمائندہ محمد اسلم ریٹائرڈ فوجی تھے۔ جہاد کی آواز سنتے ہی دوبارہ فوج میں چلے گئے اور چار ہی روز کے اندر لاہور کے محاذ پر لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ ان کی سب سے بڑی بیٹی--- عزیزہ پروین۔ نے جو آٹھویں جماعت کی طالبہ تھیں' اپنے بابا جی (پرویز صاحب) کو اس واقعہ کی اطلاع دیتے ہوئے لکھا--- "پیارے بابا جی! ابا جی نے بہت بڑا مرتبہ حاصل کر لیا۔ اسلام میں شہادت کی موت سے بڑھ کر اور کیا خوش قسمتی ہو سکتی ہے۔ شہید تو زندہ ہیں۔ صرف ہماری نظروں سے اوجھل ہیں۔ ابا جی قرآنی فکر کو پروان چڑھانے کے لئے رات کی نیند تک حرام کر دیتے تھے۔ ان کی یہ دلی تمنا تھی کہ میں اپنی زندگی کا زیادہ سے زیادہ وقت اس میں صرف کروں"۔

یہ اس بیٹی کا خط ہے جس کے باپ کی شہادت کے بعد' اس نو دس افراد کے کنبے کا کوئی سہارا نہیں رہا۔

سر خاک شہیدے برگہائے لالہ می پاشم
کہ خونش بانہال ملت ما سازگار آمد

کامل مومن وہ ہے جو خوش اخلاق اور گھر والوں سے نرم سلوک کرنے والا ہو۔ (ترمذی)

A perfect believer is that who is nice in behaviour and kind to his family members. (Tirmizi)

SHAHAB

QUALITY PISTON RINGS

THE ONLY MANUFACTURERS OF INTERNATIONAL QUALITY PISTON RINGS IN PAKISTAN.

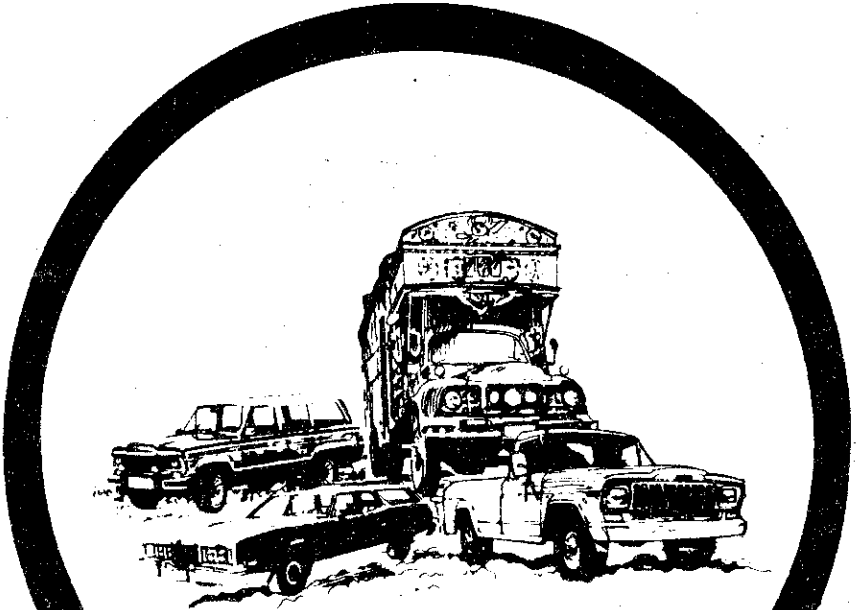

MINIMIZE WEAR
RESTORE COMPRESSION
GET MORE POWER
CONTROL OIL

CALL US FOR THE EXCELLENT RECONDITIONING OF AUTOMOBILE ENGINES OF ALL KINDS.

M. SHAH MOHAMMAD & SONS (PVT.) LTD.
OUTSIDE PAK GATE, MULTAN, PAKISTAN
PHONE OFFICES : 545071, 43671, 539071-73
FACTORY 550171

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(ادارہ)

ہر بہی خواہ کا "گلا" گھونٹنے والی قوم

ایک اقتباس

سرسید نے اصلاحی تحریک کی راہ ہموار کرنے اور اس کو کامیاب بنانے کے لئے تہذیب الاخلاق جاری کیا تھا اور انہوں نے اپنی کئی تحریروں میں ان مقاصد کو واضح بھی کر دیا تھا۔ یہ مقاصد کیا تھے اور اصلاحی کوششوں کی نوعیت کیا تھی اس کی تفصیل سرسید کے ایک ممتاز رفیق کار خواجہ الطاف حسین حالی نے یوں بیان کی ہے "اس پرچہ کی تمام تر کوشش اس بات میں تھی کہ جو خیالات مسلمانوں کی ترقی اور تمدن کے مذہبی مانع سمجھے جاتے تھے لیکن درحقیقت مذہب سے کچھ علاقہ نہیں رکھتے تھے' ان کو جہاں تک ہو سکے رفع کیا جائے اور اسلام پر عیسائیوں کا جو یہ اعتراض ہے کہ وہ ترقی اور تمدن کا دشمن ہے' اس غلطی کا اصل منشا ظاہر کیا جائے۔ اس کے علاوہ یورپ کی تہذیب کے اصول و فروع سے اور ان اسباب سے جو یورپ کی ترقی کا باعث ہوئے ہیں' قوم کو آگاہ کیا جائے۔ بیہودہ اور مضر رسموں سے ان کو نفرت دلائی جائے۔ اخلاق و عادات میں جو بہ سبب قومی تنزل کے خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں وہ بیان کی جائیں۔ علوم قدیمہ کی عظمت جو لوگوں کے دلوں میں حد سے زیادہ بیٹھی ہوئی ہے جہاں تک اس میں غلطی ہو اس کو ظاہر کیا جائے۔ علوم جدیدہ جن سے نفرت کی جاتی ہے ان کی اصلی اور واقعی خوبیاں اور جو بدیہی نتائج دنیا میں ان سے پیدا ہوئے ہیں جتائے جائیں اور بجائے نفرت کے ان کی طرف رغبت دلائی جائے۔ اسلام میں مخالفوں نے جو باتیں تاریخی اور علمی تحقیقات کے خلاف بیان کی ہیں ان کو تاریخ اور علم کے ساتھ منطبق کیا جائے۔ یا اسلام کا دامن ان سے پاک ثابت کیا جائے۔ مسلمانوں کے دلوں میں ان کے اکابر و اسلاف کی عظمت کا خیال پیدا کیا جائے۔ ان کی قدیم علمی اور عملی ترقیات ان کو یاد دلائی جائیں اور اس طرح قوم کے مردہ دلوں کو از سرنو زندہ کرنے میں کوشش کی جائے"۔ یہ بڑے اہم مقاصد تھے اور ان کے لئے سرسید نے اپنی تمام صلاحیتیں وقف کر دی تھیں۔ دینی مسائل کی اہمیت کے ساتھ ہی وہ ان کی نزاکت سے بھی بخوبی واقف تھے اور اس بات کا پورا خیال رکھا کہ صرف اپنی رائے اور اجتہاد سے کام نہ لیا جائے بلکہ تہذیب الاخلاق میں جو کچھ مذہب کے متعلق لکھا جائے وہ زیادہ تر قوم کے محققین کی تصنیفات سے استفادہ کر کے لکھا جائے اور اخلاق و معاشرت اور ترقی و تمدن کے متعلق مصنفین کے خیالات بھی جہاں تک ہو سکے اپنی زبان میں بیان کئے جائیں۔

اس قدر احتیاط سے کام لینے کے باوجود قدامت پرست عناصر نے تہذیب الاخلاق کے جاری ہوتے ہی اس کی شدید مخالفت شروع کر دی۔ اس کے مضامین کو گمراہ کن قرار دیا۔ کئی اخبار اور رسالے اس کی مخالفت میں جاری کئے گئے جن میں کانپور کا "نور الافاق" بہت مشہور ہوا۔ تہذیب الاخلاق کے مضامین کے جواب میں اور سرسید کی تحریک کے خلاف مضامین شائع ہونے لگے۔ سرسید کی تکفیر کے فتوے دیے گئے۔ ان کو مرتد' زندیق اور اسلام کا دشمن کہا گیا۔ ان کے رفقاء کو بھی نیچری اور کرسٹان کہا جانے لگا اور اصلاحی تحریک کے خلاف قدامت پرستوں کا ایک طاقتور محاذ بن گیا۔ اس زمانے کے حالات کو دیکھتے ہوئے یہ مخالفت بالکل متوقع تھی اور سرسید بھی

یہ جانتے تھے کہ ان کو کس قدر مخالف طاقتوں کا مقابلہ کرنا پڑے گا اور اس کے لئے کیسے عزم و استقلال کی ضرورت ہے۔ تہذیب الاخلاق اسی عزم کی تکمیل میں مدد دینے کی غرض سے جاری کیا گیا تھا اور اس کا مفید نتیجہ یہ نکلا کہ سرسید کی اصلاحی تحریک چند سال کے عرصہ میں پورے ملک میں پھیل گئی اور رفتہ رفتہ مسلمانوں کا ایک متعدد بہ گروہ ایسا بن گیا جو اس کے مضامین سے بہت متاثر ہوا۔ اور معاشرہ کی ہر جہتی اصلاح و ترقی کی ضرورت و اہمیت کو پوری طرح محسوس کرنے لگا۔ اس گروہ کے تعاون اور امداد سے سرسید اپنی کوشش میں بڑی حد تک کامیاب ہوئے اور ان کی تحریک کی بنیادیں مستحکم ہو گئیں۔

(بشکریہ تہذیب الاخلاق دسمبر 1962ء)

طلوع اسلام

یہ اسی "کافر' مرتد' زندیق' ملحد' بے دین" کا تصدق ہے کہ آج اسے کافر قرار دینے والوں کی اولاد' ایک آزاد مملکت (پاکستان) کی مالک ہے۔۔۔۔۔ لیکن اس کے باوجود' اس قوم کی خوئے کافرگری میں فرق نہیں آیا۔

اشتہار

خصوصی اعلان

باغبان ایسوسی ایشن کے ریزولیوشن نمبر 20 مورخہ 02\08\1999 محترمہ صبینہ یاسمین B.A طبی سیداں جہلم کو سینئر نائب صدر مقرر کرنے کی توثیق کی گئی ہے۔

ملک حنیف وجدانی
صدر باغبان ایسوسی ایشن
معرفت P.O موہڑہ سیداں' مری

سانحہ ارتحال

خاکی (مانسہرہ) کے بزرگ غلام خان مورخہ 10-07-99 کو وفات پا گئے۔ مرحوم طلوع اسلام سے عشق کی حد تک لگن رکھتے تھے۔ مرحوم کے خاندان سے اظہار ہمدردی کے لئے راولپنڈی سے چوہدری نثار احمد' ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ' چوہدری تاج محمد اور حق نواز موضع خاکی تشریف لے گئے۔ ادارہ مرحوم کے پس ماندگان کے غم میں برابر کا شریک ہے اللہ تعالیٰ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہم قرآن

(علامہ اسلم جیراجپوری نوشتہ مئی 1938ء)

قرآن کریم کامل اور مکمل کتاب ہے اور اس قدر واضح اور روشن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا نام ہی "نور مبین" رکھا ہے۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا (4:174)۔

اور ہم نے جگمگاتا نور تمہاری طرف اتارا۔

نور خود بھی روشن ہوتا ہے اور اردگرد کی چیزوں کو بھی روشن کر دیتا ہے۔ یہی حال قرآن کا ہے کہ وہ واضح کھلا ہوا اور روشن ہے اور اپنی تشریح آپ ہے۔ اس کی تلاش کے لئے کسی روشنی کی ضرورت نہیں جس طرح آفتاب کو چراغ سے نہیں ڈھونڈا جاتا۔ وہ دین و دنیا کے ان جملہ حقائق کی، جن سے انسان کو ہدایت ملے اور قدیمی آسمانی کتابوں کی جملہ تعلیمات کی توضیح اور تفصیل اپنے اندر رکھتا ہے۔

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّ رَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ○ (16:89)۔

اور ہم نے تجھ پر کتاب اتاری جو ہر شے کی تشریح اور مسلمانوں کے لئے ہدایت اور رحمت اور بشارت ہے۔

مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ تَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○ (12:111)۔

یہ قرآن کوئی بنائی ہوئی بات نہیں ہے بلکہ اس میں پہلی کتابوں کی تصدیق اور ہر شے کی تفصیل ہے اور ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے ہیں ہدایت اور رحمت ہے۔

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ تَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ (10:37)۔

یہ قرآن ایسا نہیں ہے کہ اللہ کے سوا کوئی دوسرا اس کو بنا لے بلکہ یہ اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور الکتاب کی تفصیل ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے یہ رب العلمین کی طرف سے ہے۔

آیت بالا میں الکتاب سے مراد علم الٰہی ہے جس کو قرآن میں جا بجا اسی لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ (22:70)۔

کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ ان سب چیزوں کا علم رکھتا ہے جو آسمان و زمین میں ہیں۔ بیشک وہ لکھی ہوئی ہیں۔

اس علم کو کتاب مبین فرمایا ہے۔

وَ يَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ○ (6:59)۔

وہ جانتا ہے جو کچھ خشکی اور تری میں ہے اور کوئی پتا نہیں گرتا مگر وہ اس کا علم رکھتا ہے اور زمین کی تاریکیوں میں جو دانہ ہے اور جو کچھ خشک و تر ہے وہ سب کتاب مبین میں ہے۔

اسی کتاب مبین کو اللہ نے عربی قرآن بنایا۔

وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ○ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ○ (43:2-3)۔

اور کتاب مبین شہادت دیتی ہے کہ ہم نے اس کو عربی بنایا تاکہ تم سمجھ سکو۔

کتاب مبین صحیفہ فطرت ہے جو فعل الٰہی ہے۔ اب صحیفہ فطرت فعل الٰہی اور کتاب مبین علم الٰہی۔ اور قرآن کریم قول الٰہی۔ ان تینوں کی حقیقت کا متحد ہونا واضح ہو گیا۔ جس طرح صحیفہ فطرت کے حقائق کی وسعت بے پایاں ہے اسی طرح قرآنی حقائق کی بھی کوئی انتہا نہیں ہے اور انسانی نسلیں ان کو کبھی ختم نہیں کر سکتیں۔ اسی صلاحیت کی وجہ سے قرآن ہمیشہ کے لئے بنی نوع انسان کی ہدایت کا نصاب مقرر کیا گیا ہے۔

مزید توضیح کے لئے یہاں یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ مصنوعات فطرت اور مصنوعات انسانی میں اس قدر بدیہی فرق ہے کہ ہر انسان بلا کسی قسم کے ریب اور شک کے ان دونوں میں امتیاز کر لیتا ہے۔ مثلاً زمین' دریا' اور پہاڑ دیکھ کر سب کو یقین کے ساتھ علم ہو جاتا ہے کہ یہ فطرتی چیزیں ہیں اور اگر زمین پر کوئی عمارت یا پہاڑ میں کوئی بت یا دریا میں کوئی کشتی یا جنگل میں کسی مشین کا ٹکڑا نظر آئے تو ہر شخص بلا اشتباہ سمجھ جاتا ہے کہ یہ انسانی ساخت ہے۔ درخت پر سے گرا ہوا ایک پتا۔ گھاس میں سے جھڑا ہوا ایک تنکا۔ چیونٹی کا ٹوٹا ہوا ایک پاؤں' بھیڑ کا گرا ہوا ایک بال۔ اگر سارے عالم کے ماہر' کاریگر جمع ہو کر بھی بنانا چاہیں تو نہیں بنا سکتے۔ یہی فرق اللہ کے کلام اور انسانی اقوال میں ہے۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا (17:88)

کہدے اگر سارے جن وانس اس بات پر متفق ہوں کہ قرآن جیسا کلام بنائیں تو بھی ویسا نہیں بنا سکتے۔ اگرچہ ایک دوسرے کے مددگار کیوں نہ ہوں۔

لیکن معنوی حقائق چونکہ عقلی چیزیں ہیں اس لئے یہ فرق سر کی آنکھوں سے نظر نہیں آسکتا بلکہ دل کی آنکھوں سے دیکھا جاتا ہے اور یہی قرآن کا اعجاز ہے جو اہل بصیرت پر نمایاں ہے۔ جن لوگوں نے آیات الٰہی کا موازنہ اقوال انسانی کے ساتھ کر کے اس کے اعجاز دکھانے کی کوشش کی ہے۔ وہ حقیقت میں اعجاز قرآن کے سمجھنے سے بہت دور تھے۔

دوسرا فرق مصنوعات فطرت اور مصنوعات انسانی میں یہ ہے کہ فطرتی اشیاء کے منافع اور تاثیرات کی کوئی معین حد نہیں ہوتی بلکہ ان کے متعلق جس قدر معلومات بڑھتی جاتی ہیں اسی قدر ان کے افعال و خواص معلوم ہوتے جاتے ہیں۔ بخلاف انسانی مصنوعات کے کہ ان کی غرض و غایت متعین ہوتی ہے اور ان سے وہی نفع لیا جاتا ہے جن کو پہلے سے مدنظر رکھ کر وہ بنائی جاتی ہیں۔ یہی کیفیت خالق اور مخلوق کے کلام کے مراتب کی ہے۔ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ وہ کسی ایک ماحول' ایک زبان یا ایک مکان کے لئے نہیں ہے بلکہ ہر ماحول' ہر زمان اور ہر مکان میں انسان کا اشیاء فطرت کے متعلق جس قدر علم بڑھتا جائے گا اسی قدر قرآنی حقائق بھی اس کی سمجھ میں آتے جائیں گے اور قرآن بھی فطرتی اشیاء کی طرح کسی زمانہ میں ختم ہو جانے والا اور تھکنے والا نہیں ہے۔ بخلاف انسانی اقوال کے کہ ان کے معانی محدود ہوتے ہیں۔

جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ عہد صحابہ میں قرآن بالکل سمجھ لیا گیا اور اب ہم کو انہیں کی فہم پر قناعت کرنا چاہئے۔ وہ قرآن کی حقیقت سے آشنا نہیں ہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا علم قرآن دیگر علماء قرآن سے اس لحاظ سے افضل ہے کہ انہوں نے اس کے عملی پہلو کو اختیار کیا۔ اور جو کچھ سمجھایا آنحضرت ﷺ نے ان کو سمجھایا۔ اس کی حرف بحرف تعمیل کی اور حقیقت یہ ہے کہ قرآن صرف نظری کتاب نہیں ہے بلکہ عملی بھی ہے اور اس کی ہدایات پر عمل کرنے سے ہی فلاح نصیب ہوتی ہے۔ اس لئے صحابہ کا درجہ عملی لحاظ سے اس قدر افضل ہوا کہ ساری امت مل کر بھی ان کے رتبہ کو نہیں پہنچ سکتی۔ لیکن جو لوگ فہم قرآن کو ان روایات میں الجھانا چاہتے ہیں جو صحابہ کرامؓ سے مروی ہیں وہ اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ قرآن کسی ایک ماحول کی کتاب نہیں ہے اگر کسی ایک

زمانہ میں وہ بالکل سمجھ لیا گیا تو بس ختم ہو گیا اور آئندہ کے لئے نصاب نہیں رہا۔ لیکن وہ قیامت تک کے لئے نصاب ہے اور ہر زمانہ میں نئی روشنی ہدایت کے لئے اس سے نکالی جا سکتی ہے۔ علاوہ بریں یہ روایات جن ذرائع سے آئی ہیں وہ اس قدر غیر یقینی اور مشتبہ ہیں کہ ان پر قرآن جیسی قطعی اور یقینی چیز کی تشریح کا مدار رکھنا اس کی قطعیت کو کھونا ہے۔

یہ خیال بھی کہ اس زمانہ میں جب آیات نازل ہوئی تھیں لوگ ان کے شان نزول سے واقف تھے اس لئے انہوں نے اچھی طرح ان کو سمجھ لیا۔ دراصل قرآن کے متعلق اسی غلط تصور کا نتیجہ ہے کہ وہ ایک ہی زمانہ کی چیز ہے۔ قرآن کسی شان نزول' موقع نزول یا واقعہ نزول کا پابند نہیں ہے اور اس کی ہدایات مخصوص زمان و مکان سے وابستہ نہیں ہیں بلکہ بالاتر ہیں۔

ہماری تمام تفسیریں آغاز عہد سے اب تک یعنی امام ابن جریر طبری سے مفتی محمد عبدہ' تک اسی قدامت پرستی کے نظریہ کے ماتحت لکھی گئی ہیں اور ان کا انداز بھی شروع سے آج تک ایک ہی ہے یعنی وہ سلسلہ بہ سلسلہ آیات کے ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ اس طرح آیات اور الفاظ کی تو ضرور تشریح ہو جاتی ہے۔ مگر قرآنی مسائل اور حقائق سمجھ میں نہیں آتے کیونکہ وہ مسلسل نہیں بیان کئے گئے ہیں۔ بلکہ مختلف صورتوں اور آیتوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اس لئے قرآن فہمی کے لئے یہ تفسیریں زیادہ کارآمد نہیں ہیں۔ ان تمام تفسیروں کا جو مفید حصہ ہو سکتا ہے تقریباً اسی قدر ہے جس کو راغب اصفہانی نے اپنی کتاب مفردات میں جمع کر دیا ہے۔ بقیہ جو کچھ ہے وہ سلف کی آیات فہمی کی تاریخ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم اپنی شرح آپ ہے۔ اس کی تفسیر اللہ نے اپنے ذمہ لی ہے۔

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ (75:19)۔

پھر اس کی تشریح بھی ہمارے ذمہ ہے۔

آیات قرآنی بیشتر محکم ہیں۔ یعنی ان کے معنی قطعی اور متعین ہیں۔ تھوڑی سی متشابہات ہیں جن کے حقائق انسان کی علمی دسترس سے بالاتر ہیں۔ مثلاً اللہ کی ذات' صفات' جنت' دوزخ اور میزان عمل وغیرہ جن کو تمثیل اور تشبیہ کے طور پر قرآن نے بیان کیا ہے اور جن کی اصل حقیقت سمجھنے سے انسان اس دنیا میں قاصر ہے۔

محکم آیات جو ام الکتاب اور اصل قرآن کہی گئی ہیں ان کی تفصیلات اللہ ہی کی طرف سے کی گئی ہیں۔

كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝ (11:1)۔

(یہ مکمل) کتاب ہے جس کی آیتیں محکم بنائی گئی ہیں۔ پھر حکمت اور خبر رکھنے والے اللہ کی طرف سے ان کی تفصیل کی گئی ہے۔

یہ تفصیل علم کے ساتھ کی گئی ہے۔

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ (7:52)۔

ہم ان کے پاس ایسی کتاب لائے ہیں جس کی تفصیل ہم نے علم کے ساتھ کی ہے۔

اسی لئے قرآن کو کتاب مفصل کہا ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ط (6:114)۔

اور وہی اللہ ہے جس نے تمہاری طرف کتاب اتاری تفصیل شدہ یہ تفصیل اہل علم اور اہل فہم کے لئے ہے۔

قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ (6:97)۔

ہم نے آیات کی تفصیل اُن لوگوں کے لئے کی ہے جو علم رکھتے ہیں۔

قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ۝ (6:98)۔

ہم نے آیات کی تفصیل اُن لوگوں کے لئے کی ہے جو فہم رکھتے ہیں۔

جس قدر انسان کا علم حقائق فطرت کے متعلق بڑھتا جائے گا اسی قدر وہ قرآنی تعلیمات کی تفصیلات زیادہ سمجھنے کے قابل ہو گا۔ اگر معانی سمجھنے میں اختلافات واقع ہوں تو قرآن ان کو رفع کرنے کی پوری قدرت رکھتا ہے۔ جس طرح کہ اشیاء

فطرت کے محققین میں کبھی کبھی نظریوں کا اختلاف واقع ہو جاتا ہے۔ لیکن مزید غور و فکر سے رفتہ رفتہ آخر کار وہ مٹ جاتا ہے اور سب کے سب ایک حقیقت پر پہنچ کر متحد الخیال ہو جاتے ہیں۔

قرآنی آیات جو اکثر بہ تبدیل الفاظ و عبارات جا بجا الٹ پھیر کے ساتھ بیان کی گئی ہیں' ان میں ان کی تشریح مضمر ہے۔

وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ (6:105)۔

اور اسی طرح ہم آیتوں کو ہیر پھیر کر لاتے ہیں تاکہ وہ کہدیں کہ تو نے پڑھ کر سنا دیا اور تاکہ ہم اصل علم کے لئے اس (قرآن) کی تشریح کر دیں۔

الغرض قرآن کریم ایسی جامع اور کامل کتاب ہے کہ اس کی آیات' الفاظ اور تعلیمات کی تشریح' توضیح اور تفصیل سب اس کے اندر ہے اور سمجھنے کے قواعد اور ضوابط بھی بسط کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔

تاریخی یادداشتیں

سوال یہ ہے کہ قرآن کا دین موجودہ مذہب میں کس طرح تبدیل ہو گیا؟ غیر قرآنی نظریات' تصورات' معتقدات کہاں کہاں اور کن کن راستوں سے در آئے؟ دانشور حضرات اس موضوع پر روشنی ڈال سکیں تو راقم ممنون ہو گا۔

ملتمس : ایم-آر راجہ (کینیڈا) معرفت ادارہ طلوعِ اسلام' 25بی گلبرگ 2' لاہور

خریدار حضرات توجہ فرمائیں

مجلّہ طلوعِ اسلام کی درج ذیل خوبصورت جلدیں =/180 روپے فی جلد علاوہ محصول ڈاک' دستیاب ہیں۔

72ء- 73ء- 75ء- 76ء- 77ء- 78ء- 83ء- 84ء- 85ء- 86ء- 87ء- 88ء

91ء- 94ء- 95ء- 96ء- 97ء- 98ء-

(ناظم ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لغات القرآن

سدرۃ المنتہیٰ

اسلام کا ضابطہ آئین قرآن ہے اور قرآن کا خاصہ ہے کہ وہ اپنے الفاظ کا مفہوم خود متعین کر دیتا ہے۔ اسی لیے وہ کتاب مبین ہے' مذہبی منتروں کی کتاب نہیں ہے لیکن جب قرآن کا دین "مذہب" میں تبدیل ہو گیا تو اس کے الفاظ باقی رہ گئے لیکن ان کا مفہوم نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ اب حالت یہ ہے کہ ہم صبح سے شام تک یہ الفاظ دہراتے رہتے ہیں لیکن کبھی نہیں سوچتے کہ ان الفاظ کا مفہوم کیا ہے۔ ان صفحات میں آئندہ ایسی ہی منتخب اصطلاحات اور الفاظ کا مفہوم' جو زبان زد عام ہیں' قرآن کریم کی روشنی میں مستقل طور پر پیش کیا جاتا رہے گا۔ اس کے مطالعہ سے قرآنی بصیرت کے ساتھ ساتھ بیش بہا معلومات کا خزینہ ہاتھ آئے گا۔ امید ہے اس سلسلہ کو قارئین طلوع اسلام پسند فرمائیں گے۔ (مدیر)

اَلسِّدْرُ۔ بیری کے درختوں کو کہتے ہیں۔ (واحد سدرۃ)۔ جب بیری کا درخت بہت گھنا ہو جائے تو اس کا سایہ بہت عمدہ ہوتا ہے اور عرب' صحرا کی سخت گرمی کے ستائے ہوئے اس کے سایہ میں آرام کرتے ہیں۔ اس اعتبار سے جنت کے آرام اور نعماء کے لئے اسے بطور مثال بیان کیا گیا ہے (راغب)۔ فِیْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ (56:28)۔ ایسے درخت جو پھل سے لدے ہوئے ہوں اور جن کے سائے نہایت گھنے ہوں۔ یا ایسے درخت جن کا سایہ تو ہو لیکن کانٹے نہ ہوں۔ بلا خلش آرام و راحت۔ سایہ کے اعتبار سے دوسری جگہ ہے۔ وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا (4:57)۔ اس میں آرام اور خوشحالی' دونوں پہلو مضمر ہیں۔ بیری کا درخت ریگستانی اور سخت گرمی کے خشک علاقہ میں بھی سرسبز رہتا ہے لیکن بقول راغب' اس کا پھل زیادہ مفید غذائیت نہیں رکھتا۔ قرآن کریم میں ہے کہ جب سبا کا علاقہ سیلاب کے بعد بنجر ہو گیا تو وہاں سرسبز و شاداب باغات کی جگہ کچھ بیر کے درخت اگ آئے۔ وَشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ (34:16)۔ سَدِيْرُ النَّخْلِ کھجوروں کے جھنڈ کو کہتے ہیں۔

سَدِرَ۔ وہ متحیر ہوا۔ سخت گرمی کی وجہ سے اسے دکھائی نہ دیا۔ اَلسَّادِرُ۔ اس شخص کو کہتے ہیں جو شدت گرمی کی وجہ سے متحیر ہو جائے۔ سَدِرَ بَصَرُهٗ سَدَرًا۔ شدت گرمی کی وجہ سے اس کی نگاہیں حیران و ششدر رہ گئیں (تاج)۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی حیرت اور اضطراب رائے کے ہیں۔ اَلسَّادِرُ۔ متحیر کو کہتے ہیں۔

سورۃ والنجم میں مقام نبوت کی کیفیات کو مثالی انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ (واضح رہے کہ وحی کی کیفیت صرف مثالاً" اور تشبیہاً" ہی بیان کی جا سکتی ہے' کیونکہ کوئی غیر نبی' وحی کی کیفیت اور ماہیت کو جان اور پہچان نہیں سکتا۔ وہ صرف اس کے پیغام کو سمجھ سکتا ہے)۔ اس سلسلہ میں کہا گیا ہے کہ نبی کو جس مقام سے وحی ملتی ہے وہاں انسانی عقل و فکر کے لئے سوائے انتہائی حیرت کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ عقل انسانی اس مقام کی ماہیت کو قطعاً" نہیں سمجھ سکتی۔ اسے وہاں حیرت ہی حیرت ہوتی ہے۔ اس کے لئے قرآن کریم نے عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى (53:14)۔ کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ یعنی وہ مقام جہاں تحیر اپنی انتہا تک پہنچ جائے۔ اس کی تشریح ان الفاظ سے کر دی کہ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى (53:16)۔ جب سدرہ پر چھا رہا تھا جو کچھ چھا رہا تھا۔ یعنی یہ تمہارے (غیر از نبی انسانوں کے) لئے ممکن نہیں کہ تم جان سکو کہ وہ کیا کیفیت تھی۔ تمہاری نگاہ کے لئے وہ تحیر کی فراوانی تھی جس نے ساری فضا کو گھیر رکھا تھا۔ لیکن اس کے باوجود مَا زَاغَ الْبَصَ

وَمَا طَغٰی (53:17)- نبی کی آنکھ کسی قسم کا دھوکا نہیں کھاتی۔ وہ حقائق کو بالکل واضح اور غیر مبہم طور پر دیکھتی ہے۔ لیکن صرف انہی حقائق کو جو اسے دکھائے جاتے ہیں۔ وہ ان کی حد سے آگے نہیں بڑھتی۔ بڑھ سکتی ہی نہیں۔ کیونکہ اسے یہ چیزیں اس کے ذاتی کسب و ہنر سے نہیں ملتیں کہ وہ جس قدر زیادہ محنت کرتا جائے آگے بڑھتا جائے۔ اس پر حقائق منکشف کئے جاتے ہیں' جس قدر منکشف کئے جانے مقصود ہوں۔ انسانوں کے مقابلہ میں تو علم نبوت (وحی) لاانتہا ہوتا ہے لیکن علم خداوندی کے مقابلہ میں اس کی ایک حد ہوتی ہے جس سے آگے وہ نہیں بڑھ سکتا۔ راغب نے **اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ مَا یَغْشٰی** (53:16)- کی تشریح میں لکھا ہے کہ اس میں اس مکان کی طرف اشارہ ہے جہاں رسول اللہؐ کو **افاضہ** سے نوازا گیا تھا۔ اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ وہی ہے جس کے نیچے رسول اللہؐ نے بیعت لی تھی (48:18)۔ ظاہر ہے کہ اس میں مکان کے مقابلہ میں کیفیت کا مفہوم موزوں ہے۔ ویسے **اَلسَّدِیْرُ** پانی کے منبع' نہر اور دریا کو کہتے ہیں۔ **اَلسَّدْرُ**۔ سمندر کو کہتے ہیں (تاج)۔ اس اعتبار سے بھی اس کا مفہوم علم الٰہی کا سرچشمہ (وحی) زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا **سِدْرَۃُ الْمُنْتَہٰی** وحی کا سرچشمہ ہے جہاں عقل انسانی کے لئے تحیر ہی تحیر ہوتا ہے لیکن چشم نبوت اسے صاف طور پر دیکھتی ہے۔

عجمی سازش

سعید اختر سعید

اپنے اسلاف بھی مسلماں تھے
اور ہم بھی خدا سے ڈرتے ہیں
ڈھائی فیصد زکوٰۃ کیوں کر ہو
سود کا مال پاک کرتے ہیں

قائداعظمؒ نے فرمایا

"ہماری اکثریت مسلمانوں پر مشتمل ہے' ہم نبی اکرمؐ کے اسوۂ حسنہ کا اتباع کرتے ہیں' ہم اس اسلامی برادری کے افراد ہیں جس میں حقوق تکریم اور عزت نفس کے اعتبار سے سب مساوی ہیں اس لئے ہمارے اندر باہمی وحدت کا ایک خاص احساس ہے لیکن آپ کو اس باب میں کوئی غلط فہمی نہیں رہنی چاہئے کہ پاکستان میں کسی قسم کی تھیاکریسی (مذہبی پیشواؤں کی حکومت) کار فرما نہیں"۔ (آسٹریلیا کے باشندوں کے نام پیغام 19 فروری 1948ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جمیل احمد عدیل

ختمِ نبوت سب سے خوبصورت نعمت

اگر مرکزہ گم ہو جائے تو مدار برقرار نہیں رہ سکتا۔ ہمارا المیہ کیا ہے؟ یہی کہ بد نصیبی سے اپنا نیوکلس کھو چکے ہیں۔ اور اس سے بڑا واقعہ یہ ہوا ہے کہ ہمیں ادراک ہی نہیں۔۔ وہ کون سی ثروت عظمٰی ہے جس سے ہم محروم ہو چکے ہیں' اسے آشوب نہیں سانحہ ہائلہ کہنا چاہئے کہ امت مسلمہ کا۔۔ دائرہ اپنے قلب سے تہی ہونے کی وجہ سے بے نور ہو گیا ہے۔ ہمارے محیط کی تجلی اس سمے تک قائم رہی جب تک مقصود کن فکاں حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ سے ہم منسلک رہے۔

کیسی عجیب بات ہے کہ آج ایک بھی امتی یہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں کہ اس کا حضورؐ سے تعلق نہیں۔ تو پھر یہ ادبار' یہ انحطاط' یہ زوال کیوں؟ اس تلخ سوال کا تلخ تر جواب یہی ہے کہ عہد موجود میں عقیدت کی سطح تک تو ہر مسلمان حضورؐ سے منسوب ہے اور اس نسبت پر وہ فاخر بھی ہے لیکن عقیدے کے لحاظ سے اکثریت اپنے نبیؐ سے کوئی انسلاک نہیں رکھتی۔ کیا یہ دعویٰ بلا دلیل ہے؟ نہیں' ہمارے اعمال شاہد ناطق ہیں کہ "امتی باعث رسوائی پیغمبر ہیں" (اقبال)۔ نبی اکرمؐ سے تعلق کا سب سے بڑا معیار یہ ہے کہ متعلق کس قدر اسوہ رسولؐ پر عامل ہے؟ بحیثیت فرد ہم کیا ہیں؟ بحیثیت قوم ہم کیا ہیں؟ " یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود"۔ (اقبال) ہم ذاتی حیثیت میں سنت نبیؐ کے کس حد تک پیروکار ہیں؟ ہمارا اجتماعی نظام شریعت محمدیہؐ سے کس حد تک مطابقت رکھتا ہے؟ ان ترش سوالات کے جوابات تو نہایت ناملائم ہیں' مگر حقیقت سے کیسے آنکھیں چرائیں؟ جب سچائی سامنے آتی ہے تو تلووں سے لگی سر میں سے نکل گئی کے مصداق ہم سخت برافروختہ ہوتے ہیں' مگر ہم اپنے فکر و عمل پر نظر ثانی کے لئے بھی تیار نہیں ہوتے۔

اس الجھی ہوئی ڈور کے۔۔ سرے کو کہاں سے پکڑیں اور اسے کیسے سلجھائیں؟ اپنی اپنی جگہ کاوشیں ہو بھی رہی ہیں' لیکن نتیجہ وضاحت کے ساتھ' محسوس سطوح پر سامنے نہیں آرہا' خرابی کہاں ہے؟ راقم کی نگاہ میں سب سے اہم مسئلہ' ختم نبوت کا مسئلہ ہے' اگر یہ حل ہو جائے تو کل مسائل حل ہو جائیں۔ عام لوگوں کی نگاہ میں تو یہ مسئلہ حل ہو چکا' مگر واقعہ یہ ہے کہ مسئلہ ہذا جوں کا توں موجود ہے۔

ہمارا اعتقاد ہے کہ سرور کونین ﷺ خاتم الانبیاء ہیں اور لاریب وہ آخری نبیؐ ہیں۔ آپؐ کے بعد کبھی کسی سرزمین میں قطعاً" کسی بھی نبی نے نہیں آنا کہ اب ضرورت نبوت ہی سرے سے باقی نہیں رہی۔ اللہ نے اپنا دین اسلام کی صورت میں مکمل کر دیا ہے۔ قرآن اسی طرح اللہ کی آخری کتاب ہے جس طرح حضورؐ اللہ کے آخری رسولؐ ہیں۔

ختم رسالت کی فلاسفی اس راز کے زاویوں میں پنہاں ہے کہ حضورؐ کے بعد اگر کسی بھی ہستی کو کسی بھی نوع کا نبی بنایا جائے یا کسی نبی کو بھیجا جائے تو آپؐ کی مرکزیت متاثر ہوتی ہے۔ چاہے کوئی لاکھ تاویلیں تراش لے'۔۔۔ کہ ختم نبوت کا یہ مفہوم ہے کہ وہ نبوت جو حضورؐ کی غلامی اور اتباع میں جاری رہے' وہ حضورؐ کے مقام ... بڑھانے والی ہے' ،

رسالت جو آپؐ کے پروگرام کی تکمیل کے لئے کوشاں ہو' وہ فیضان ربانی ہے۔۔ ہرگز ہرگز یہ درست تشریح نہیں ہے۔ اس انداز صراحت کا سہارا لے کر غیر تشریعی نبوت کے اجراء کے جوازات پیش کئے گئے ہیں۔ منصوص براہین نقلیہ کی تحکیت اپنی جگہ' لیکن اس نوعیت کے کسی جواز کی پذیرائی نہیں کی جا سکتی کہ آنے والا چاہے خود کو آپؐ کا امتی اور مطیع قرار دے' نئی شریعت کو پیش نہ کرے' قرآن ہی کے نفاذ کو اپنا مشن۔۔ جتائے۔ اس کی شخصیت حضورؐ کے مقابل متوازی حیثیت ضرور حاصل کرے گی۔ شہادت بڑی ہی بین ہے کہ اجرائے نبوت کے قائلین ظاہری عقیدت کی حد تک بھی رسول کریم ﷺ سے اتنا عشق نہیں رکھتے' جتنا ایک عام مسلمان رکھتا ہے۔ عبادات سے معاملات تک ان کا جداگانہ تشخص اور علیحدہ عقیدتیں مسلسل نشوونما پا رہی ہیں' اور یہ بڑی فطری سی بات ہے' جب بھی ازمنہ قدیم میں نئی نبوت آئی' امتیازات کی دیواریں استوار ہوئیں۔ پھر جب شعور انسانی نے ارتقاء کے مراحل طے کر لئے تو اللہ نے اپنی سب سے خوبصورت نعمت یعنی ختم نبوت بنی نوع انسان کو عطا کر دی کہ اب تم قیامت تک ایک ہی نقطہ مرکزیہ سے وابستہ رہو گے۔ وہ آسمانی ارمغان جو کائنات کے تمام انسانوں کو ایک وحدت میں پرونے والا ہو' اس کی ناقدری وقوف سے عاری شخص ہی کر سکتا ہے۔

اس پس منظر میں راقم کے اس سوال پر باردگر نظر ڈالئے کہ ختم نبوت کا مسئلہ اگر حل ہو جائے تو جملہ مسائل حل ہو [illegible] ختم نبوت کا منکر صرف وہی گروہ نہیں جو نبوت کی [illegible] کو جاری مانتا ہے بلکہ ختم نبوت کا انکاری ہر وہ [illegible] محبوب خداؐ کے مساوی عملاً کسی اور ازم کا اور [illegible] شخصیت کا معتقد ہے یا کسی ایسے نظام اور [illegible] قرآن سے ہٹ کر فوز و فلاں کا انصرام [illegible] رسالت کے ساتھ قرآنی نظام کو نافذ [illegible] اصولاً" اسے قابل قبول نہیں کہ قرآن [illegible] ہے اور حضورؐ آخری نبی ہیں۔

محترم قارئین! اب ذرا سیاسی خانقاہوں' نام نہاد دانش گاہوں' گمراہ کن فہم و فراست کی ٹکسالوں' گدی نشینی کے نام پر رقوم بٹورنے والے قمار خانوں' فرقہ پرستی کی تربیت گاہوں' بدعنوانی اور نفسانی خواہشات کے بتکدوں' جعل سازی کے دفتروں' سفید آقاؤں کے سیاہ معبدوں' فریب اور فراڈ کی کارگہوں' دہشت گردی کے مورچوں' بدعادتوں کے مجسّموں' نفرت و تعصب کے زہریلے مکتبوں' تنگ نظری کے مدرسوں' لسانی و صوبائی تفرقات کو ہوا دینے والی مچانوں' عریانی و بے حیائی کے نگار خانوں' بے عملی کے چنڈو خانوں' جبر کے تھانوں' روباہی کی اسمبلیوں' خود ستائی کے کوچوں' تذلیل و تحقیر کے محلوں' جرائم کے شہروں' بردہ فروشوں کے اڈوں' غیبتوں کے چائے خانوں' کذب و ریا کے قریوں' سود خوروں کے بنکوں' ملاوٹ کے اداروں' منشیات کے کارخانوں' ڈاکوؤں کی گپھاؤں' چوروں کی چوپالوں' نوسر بازوں کی کچہریوں' سنگدلوں کے ہسپتالوں' قطع رحمی کے ڈاک خانوں میں ذرا جھانکئے اور دیکھئے کیسی کیسی قیامتیں برپا ہیں۔ ان کمین گاہوں میں چھپے ہوئے یہ سارے انسان خود کو مسلمان کہتے نہیں تھکتے' کیا یہ نبیؐ کی منہاج پر چلنے والے ہیں؟ کیا یہ ختم نبوت کے ماننے والے ہیں؟ ان سب نے اعتقاداً" نہ سہی عملاً اپنی اپنی کاذب نبوتیں گھڑ رکھی ہیں۔ شریعت محمدیہ کو بالفعل منسوخ کرنے والے یہ سب صداقت محمدیہ کے دشمن ہیں۔ ان کی محسن انسانیت ﷺ سے کیا نسبت ہے؟

صاحبو! آخر میں یہی عرض کروں گا کہ اگر بربادی کے بھنور سے خود کو اور اپنی نسلوں کو بچانا ہے تو جملہ جھوٹی عقیدتوں کو مسمار کر کے اللہ کے آخری پیغمبر ﷺ کے دامن سے اس طرح وابستہ ہونا پڑے گا کہ آپؐ ہی کے اسلوب حیات کو رہبر بنانا ہو گا اور آپؐ پر نازل ہونے والی کتاب کے مطابق اپنا نظام وضع کرنا ہو گا' وگرنہ یاد رکھئے' حشر کے دن ہم سب منکرین ختم نبوت کی صفوں میں کھڑے ہوں گے۔

بشکریہ روزنامہ "دن" لاہور
(مطبوعہ 27 جون 1999ء)

fety Sealers for

FULL PROTECTION

From Foundation to Roof Top

Dampcourse Sheeting 13" & 9" to BS 6398:83

Damp Wall Coating to ASTM D-2822

Sealocrete Waterproofing Powder & ADMIXTURES

Oxy Bit Range of Oxidised Bitumens

Roofing Felts to BSS & ASTM SPEC

Safetorch 3 to 5 MM Torch on Membranes

Sealants for Buildings & Structure Water Retaining

Jet Fuel Resistant Sealing for Runways

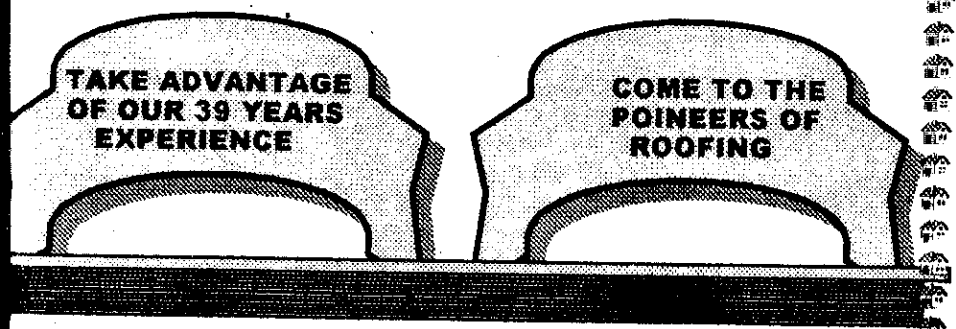

AFETY SEALERS (PVT) LTD.

r Galaxy Shopping Centre, 115-Ferozepur Road, Lahore-Pakistan
Tel Office:417254-7573615
KARACHI OFFICE:2/13-A, Commercial Area, P.E.C.H.S.
Karachi-Pakistan Tel:4944059
QUETTA: 12 A Nursery Lines
Ph:836778

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد اسلم نوید

"احمدیت" کے حربے

گذشتہ دو دہائیوں میں حالات کے تقاضوں نے کچھ ایسی کروٹ لی ہے کہ انسان کی خود ساختہ شریعتوں کے بند ڈھیلے ہونے شروع ہو گئے۔ تعلیم یافتہ طبقہ سنی سنائی مذہبی داستانوں کو عقل و فکر اور تدبر کی کسوٹی پر پرکھنے لگا۔ عین ایسے وقت میں کہ جب سنجیدہ فکر طبقہ مذہبی جکڑبندیوں سے آزاد ہو کر سوچنے لگا تو "احمدیت" کے شاطر ذہنوں نے پرانے حربوں کو نئے انداز سے آزمانا شروع کر دیا۔ اس سے ایسے لوگ خاص طور پر ان کے دام فریب میں آنے لگے جو مذہب سے بددل ہو چکے تھے اور دین سے (جو قرآن کریم میں محفوظ ہے) ان کی شناسائی سطحی تھی' لہٰذا "احمدیوں" کے حربے خاصے کامیاب نظر آنے لگے۔ اس صورت حال کے پیش نظر ضروری ہے کہ عوام و خواص کے سامنے قرآنی حقائق لا کر ان حربوں کا پول کھول دیا جائے جو عصائے موسوی کے سامنے ساحران مصر کے بے حقیقت مار فریب کی حیثیت رکھتے ہیں۔

"احمدیوں" کی طرف سے اکثر یہ سوال کیا جاتا ہے' "نبوت رحمت ہے یا نہیں؟" جواب ملتا ہے "رحمت ہے"۔ مزید وضاحت کیلئے سورہ یونس کی آیت نمبر 58 اور سورہ الاعراف کی آیت نمبر 203 یا دیگر آیات پیش کی جاتی ہیں۔ اس کے بعد یہ سوال کرتے ہیں "نبوت اگر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے تو کیا رحمت کے دروازے بند ہو گئے ہیں؟" عام طور پر آدمی سوچتا ہے کہ اللہ کی رحمت جو انسانوں کی ہدایت کے لیے ازل سے نبوت کی صورت میں چلی آرہی تھی۔ کیا واقعی اب بند ہو گئی ہے؟ وہ پریشان سا ہو جاتا ہے۔ اس تامل اور پریشانی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے فوراً "احمدیت" کی حقانیت پر ایمان لانے کی دعوت دے دی جاتی ہے۔

قرآن کریم متعدد مقامات پر اس سوال کا جواب دیتا ہے مگر قرآن کریم کو محض ثواب کی خاطر پڑھنے والی قوم اس پر کبھی غور بھی تو کرے! قرآن کریم جواب دیتا ہے "مومنوں کے لئے ہدایت اور رحمت آچکی ہے۔ لوگ اللہ کی طرف سے اس رحمت پر جشن منائیں (10:58)۔ لیجئے! ان کے سوال کے اندر ہی جواب موجود ہے۔ دوسری آیت 7:203 پر بھی غور فرمایئے۔ کہا گیا ہے کہ یہ مومنوں کے لئے ہدایت و رحمت ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے ہدایت بھی کہا ہے' اور یہ ہدایت قیامت تک کے لئے کافی ہے۔

اَوَلَمْ یَکْفِہِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ... کیا ان لوگوں کے لئے کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر کتاب نازل کی۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَرَحْمَۃً وَّ ذِکْرٰی لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۝

بے شک اس میں ان لوگوں کے لئے رحمت اور نصیحت ہے جو ایمان لاتے ہیں۔ (29:51)

رحمت کو ایک مثال کے ذریعہ سمجھنے سے پہلے مناسب ہو گا کہ اس کا معنی و مفہوم بیان کر دیا جائے۔ رحمت وہ سامان نشوونما ہے جو خدا کی طرف سے بلا مزد و معاوضہ اور بروقت ملتا ہے چونکہ خدا کی ربوبیت کے معنی صرف انسانی جسم کی نشوونما نہیں بلکہ اس کے شرف انسانیت (انسانی ذات یا Self) کی نشوونما بھی ہے یہ اس ضابطہ حیات کی رو سے ہوتی ہے جو وحی کے ذریعہ ملتا ہے۔ اس لئے وحی کو بھی رحمت کہا گیا ہے۔

اب آیئے مثال کی طرف۔ ایک نوزائیدہ بچے کے لئے دودھ کے چشمے جاری ہو جانا رحمت ہے۔ مگر تقاضا پتلے دودھ کا ہے اس لیے دودھ پتلا ہی ملتا ہے۔ گاڑھا دودھ نوزائیدگی کے وقت رحمت کی بجائے زحمت بن جاتا ہے۔ بچہ جیسے جیسے بڑا ہوتا جاتا ہے "رحمت" بھی بچے کے جسمانی تقاضوں کے مطابق گاڑھی ہوتی جاتی ہے۔ بچے کے جسمانی ارتقاء کے ساتھ ساتھ رحمت بھی ارتقاء پذیر رہتی ہے۔ بچہ دو اڑھائی سال کا ہوا تو "رحمت" کے یہ چشمے بند اور ٹھوس غذا کے چشمے جاری ہو گئے۔ اب یہاں رحمت کے بند ہونے کا مطلب بچے کا نقصان نہیں بلکہ اس کے بدنی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے رحمت رزق کا ارتقائی شکل میں سامنے آنا ہے۔ اگر اب بھی دودھ ہی ملتا رہتا تو یہ رحمت نہ ہوتی۔

ذرا اور آگے بڑھئے! باپ' بچے کو انگلی پکڑ کر چلاتا ہے۔ یہ رحمت ہے مگر ایک حد تک۔ بچے کے جوان ہو جانے کے بعد بھی اگر باپ انگلی نہ چھوڑے تو یہ رحمت کی بجائے زحمت ہو گی۔ بچے کا ارتقاء رک جائے گا۔ اب اسے انگلی پکڑنے کی نہیں صرف مشورے کی ضرورت ہے' یہی اس کے لئے رحمت ہے۔ پختہ ذہن ہو جانے کے بعد بھی والد اگر ہر وقت مشورے لے کر اس کے سر پر بیٹھا رہے تو یہ رحمت کی بجائے زحمت بن جائیں گے' اس کی اپنی قوت فکر و فیصلہ سلب ہو کر رہ جائے گی۔ لہٰذا اسے خود سوچ سمجھ کر فیصلے کرنے کا حق دینا ہی رحمت ہو گی۔ ممکن ہے کبھی ٹھوکر کھائے' نقصان اٹھائے مگر اس کے بدلے میں خود اعتمادی کی دولت سے مالا مال ہو جائے گا۔ نبی اکرم ﷺ پر نبوت کے سلسلہ کو ختم کر دینے میں انسانیت کے ارتقاء کے لئے نہ جانے اللہ تعالیٰ کی کیا کیا حکمتیں پوشیدہ ہوں گی جو وقت کے ساتھ ساتھ مزید نکھر کر سامنے آتی رہیں گی۔ نبوت کا مقصد تھا انسان کو محض عقل کے حوالے نہ کرنا بلکہ اللہ تعالیٰ کی رہنمائی میں رکھنا۔ نبوت کا یہ مقصد اب بھی موجود ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ رحمت کے دروازے بند ہیں۔ قیامت تک کی ضرورتوں کے لئے رہنمائی قرآن کریم میں موجود ہے اور قیامت تک اس کے تحفظ کی گارنٹی بھی موجود۔

رہ گئی یہ بات کہ اس "ہدایت" کو سمجھانے والا کوئی نہیں اس لیے یہ سمجھ میں نہیں آرہی۔ اس مسئلہ کو بھی حل کر دیا گیا ہے۔ یعنی سمجھنے کے لئے اسے آسان کر دیا (54:22)۔ اس کا سمجھ میں آنا مسئلہ نہیں بلکہ سمجھ کر اپنے مفادات چھوڑنا اصل مسئلہ ہے۔ اس کی مثال تاریخ میں موجود ہے۔

نبی اکرم ﷺ خود بھی موجود تھے اور "ہدایت" بھی عربی زبان میں موجود تھی۔ مگر اس کے باوجود (نبی ﷺ کی موجودگی میں کتنے لوگوں نے پیغام الٰہی کو سمجھا اور مانا؟ حالانکہ اولین مخاطب عرب تھے' عربی زبان سمجھتے تھے مگر چوہدراہٹ ختم ہوتی تھی' پیشوائیت پر زد پڑتی تھی' کعبہ کی تولیت ہاتھ سے جاتی نظر آتی تھی اس لئے نہ مانے۔ اگر نبی کی موجودگی انسانی شکل میں لازمی ہے تو پھر نبی اکرمؐ کے زمانہ مبارکہ میں کون سی چیز ابوجہل کو مانع تھی۔ دور نہ جایئے۔ کسے علم نہیں کہ دوسرے انسانوں کو نقصان پہنچانا بری بات ہے مگر اس واضح علم کے باوجود کتنے ہیں جو باز رہتے ہیں۔ بات علم کی نہیں مفاد کی ہے۔ احمدیوں کا مفاد اسی میں ہے کہ وہ رحمت کو نبوت کی انسانی شکل میں جاری رکھیں۔ ویسے وہ برا نہ مانیں تو ایک بات بتائیں کہ مرزا صاحب کے بعد اس "رحمت" کے کسی اور شکل انسانی میں آپ قیامت تک آتے رہنے کے خود بھی قائل ہیں یا۔۔۔؟

حضور ﷺ کا ارشاد پاک ہے

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مجھ سے قرآن کے علاوہ کوئی بات نہ لکھو اور جس نے قرآن کے علاوہ کچھ اور لکھ لیا ہو وہ اسے مٹا دے۔

(مسلم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جی ایم میر

بھارت سے "الحاق" کی اصل حقیقت

بھارتی وزیراعظم اٹل بہاری واجپائی نے 31 مئی 1999ء کو اپنی رہائش گاہ پر ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا ہے۔۔۔ "پاکستان جموں کشمیر کے ایک تہائی حصے پر زبردستی قبضہ جمائے ہوئے ہے اور بھارت بات چیت کے ذریعے اپنا علاقہ واپس لینا چاہتا ہے۔ ہم نے اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کوفی عنان سے کہا ہے کہ اگر کوئی ایلچی بھیجنا ہے تو وہ پاکستان بھیجا جائے کیونکہ پاکستان نے ہماری سرزمین پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے"۔

بھارت کے کئی دوسرے رہنماؤں نے بھی ان دنوں اپنے بیانات میں اسی دعوے کو دہرایا ہے کہ کشمیر بھارت کا اٹوٹ انگ ہے اور پاکستان کو ہمارے ملک کا زیر قبضہ علاقہ خالی کر دینا چاہئے تاکہ پاکستان کے ساتھ آئندہ کے لئے پرامن تعلقات قائم ہو سکیں۔

بھارت گذشتہ 52 سال سے جب سے اس کی افواج نے (اکتوبر 1947ء میں) ریاست جموں و کشمیر کے ایک بڑے حصے کو اپنے تسلط میں لیا ہے' بار بار اندرون ملک اور بین الاقوامی سطح پر یہ دعوے دہراتا رہا ہے کہ کشمیر آئینی اور قانونی طور پر بھارت کا حصہ ہے اور اس کے برعکس' پاکستان کی کشمیر میں موجودگی کا کوئی آئینی جواز نہیں ہے۔ بھارت کے ان دعوؤں کی بنیاد برطانوی پارلیمان کا منظور کیا ہوا "قانون آزادی ہند" (Indian Independence Act) ہے جس کے تحت برصغیر ہندوستان کی تقسیم اور بھارت و پاکستان دو نئی مملکتوں کا قیام عمل میں آیا تھا۔ اس قانون کے تحت جہاں برطانوی ہند' مسلم اور غیر مسلم اکثریت کی بنیادوں پر تقسیم کیا گیا تھا وہاں ریاستوں کے بارے میں یہ گنجائش رکھی گئی تھی کہ وہ اپنی مرضی سے بھارت یا پاکستان' کسی بھی ملک میں شمولیت کا فیصلہ کر سکتی ہیں اور چاہیں تو اپنی خود مختاری کا اعلان کر سکتی ہیں۔ یہ فیصلہ کرنے کا حق ریاستی عوام کے نہیں بلکہ والیان ریاست کے ہاتھ میں دے دیا گیا تھا۔ چنانچہ اسی اختیار کے تحت مختلف ریاستوں نے بھارت اور پاکستان کے ساتھ الحاق کی دستاویزات پر دستخط کئے جب کہ خود مختاری کے حق کو صرف ایک ریاست حیدر آباد (دکن) نے استعمال کیا اور خود مختار رہنے کا اعلان کر دیا۔ یہ الگ بات ہے کہ صرف 13 ماہ بعد ستمبر 1948ء میں بھارت نے "پولیس ایکشن" کر کے اس ریاست پر قبضہ کر لیا۔

بھارت یا پاکستان سے الحاق کا یہ عمل 15 اگست 1947ء سے قبل مکمل ہو گیا' سوائے ریاست جموں و کشمیر کے۔ ساری ریاستیں اپنے اپنے طور پر فیصلہ کر کے دونوں مملکتوں میں سے کسی ایک میں شامل ہو گئی تھیں۔

جموں و کشمیر واحد ریاست تھی جس نے اس بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا بلکہ اس نے دونوں مملکتوں کی حکومتوں کے سامنے معاہدہ جاریہ (Stand Still Agreement) کی تجویز رکھی تھی۔ اس کا ایک خاص سیاسی پس منظر تھا۔ کشمیر کا حکمران ہری سنگھ اور وزیراعظم پنڈت رام چندر کاک' دونوں کانگریسی لیڈروں سے شدید نفرت کرتے تھے اور ہندوستان سے الحاق کرنے پر تیار نہ تھے۔ صرف ایک سال قبل 1946ء میں مہاراجہ ہری سنگھ کے حکم پر جواہر لعل نہرو کو کوہالہ پل پر ا

وقت گرفتار کر لیا گیا تھا جب شیخ عبداللہ کا مقدمہ لڑنے کے لئے وہ سری نگر جانا چاہتے تھے۔

تقسیم ہند کا اعلان ہوا تو کانگریس کی مرکزی قیادت اور وائسرائے ہند لارڈ ماؤنٹ بیٹن مہاراجہ ہری سنگھ کو شیشے میں اتارنے اور بھارت سے الحاق پر آمادہ کرنے کی کوششوں میں لگ گئے۔ تقسیم برصغیر کے بارے میں سرکاری دستاویزات ماؤنٹ بیٹن پیپرز کے علاوہ مہاتما گاندھی' پنڈت جواہر لعل نہرو' سردار ولبھ بھائی پٹیل اور دیگر لیڈروں کی تمام خط و کتابت منظر عام پر آچکی ہے۔ اس سے ان ریشہ دوانیوں کی تفصیلات طشت ازبام ہو گئی ہیں جو مہاراجہ ہری سنگھ کو دام میں لانے کے لئے کی جاتی رہی ہیں۔ ان میں سے چند ایک بطور نمونہ قارئین کے ملاحظہ کے لئے پیش کی جا رہی ہے۔

18 اپریل 1947ء کو پنڈت نہرو نے انجمن ریاست ہائے ہند کے سالانہ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے دو ٹوک الفاظ میں کہا تھا۔ جو ریاست دستوریہ ہند میں شرکت سے انکار کرے گی' اسے ملک سے باغی قرار دیا جائے گا اور اس صورت میں اس سے جو سلوک کیا جائے گا اس کی ذمہ داری اسی پر صرف اسی پر عائد ہو گی"۔

22 اپریل 1947ء کو کرشنا مینن نے وائسرائے ہند لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے ملاقات کی اور یہ مشورہ دیا کہ وہ (وائسرائے) پنڈت نہرو کو ساتھ لے کر چند دنوں کے لئے تفریح کی خاطر سری نگر چلے جائیں اور نہرو اور ہری سنگھ کے درمیان صلح صفائی کرا دیں لیکن ماؤنٹ بیٹن نے یہ کہہ کر معذوری ظاہر کر دی۔۔ "یہ تو بہت مشکل ہو گا کیونکہ میرا خیال ہے نہرو مہاراجہ کو اپنے قدموں میں جھکانا چاہتے ہیں جب کہ امکان یہ ہے کہ وہاں پر مہاراجہ انہیں جیل میں ڈال دے گا"۔

17 جون 1947ء کو پنڈت نہرو نے وائسرائے ماؤنٹ بیٹن کو خط لکھا جس کے ساتھ کشمیر کے بارے ایک طویل نوٹ بھی شامل تھا۔ نوٹ کے پیراگراف 23 میں نہرو نے لکھا تھا کہ اس وقت فوری طور پر جن اقدامات کی ضرورت ہے ان میں مسٹر کاک کی وزیراعظم کے عہدے سے برطرفی اور شیخ عبداللہ کی رہائی شامل ہیں۔ پنڈت نہرو کا خیال تھا کہ کشمیر کے ہندوستان سے الحاق کے راستے رام چندر کاک بڑی رکاوٹ ہے۔

22 جون 1947ء کو پنڈت رام چندر کاک کی ماؤنٹ بیٹن سے ملاقات ہوئی۔ کاک نے وائسرائے کو بتایا کہ مہاراجہ فی الحال کسی قطعی نتیجہ پر پہنچنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں' مہاراجہ کو مختلف عوامل کا گہرا ادراک ہے' تاہم وہ موجودہ صورت حال میں پنڈت نہرو اور ان کی دھمکیوں کے سامنے گھٹنے ٹیکنے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہیں۔

جون کے آخری ہفتے میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن سری نگر روانہ ہو گئے۔ وہ وہاں چار دن مقیم رہے لیکن ہری سنگھ نے انہیں اصل معاملے پر بات کرنے کا موقعہ ہی نہیں دیا۔ کرن سنگھ اپنی کتاب Heir Apparent میں لکھتا ہے کہ مہاراجہ نے گورنر جنرل کو مچھلی کے شکار پر بھیج دیا۔ آخری روز طے پایا کہ مہاراجہ اپنے وزیراعظم کے ساتھ ان سے ملاقات کریں گے لیکن عین وقت پر مہاراجہ نے پیغام بھیجا کہ وہ شدید پیٹ کے درد میں مبتلا ہو گئے ہیں اس لئے گفتگو سے معذور ہیں۔

وائسرائے کے بعد چیف آف سٹاف لارڈ اسمے (Lord Ismay) نے سری نگر کا دورہ کیا لیکن مہاراجہ نے پروں پر پانی نہ پڑنے دیا۔ لارڈ اسمے کے اپنے الفاظ ہیں۔۔۔ "جب میں کوئی سنجیدہ بات چھیڑ دیتا تو مہاراجہ کبھی پولو کا ذکر چھیڑ دیتے کبھی کسی اور طرف متوجہ ہو جاتے"۔

مہاراجہ ہری سنگھ کانگریسی رہنماؤں اور انگریز گورنر جنرل کا دباؤ برداشت کرتے رہے لیکن بھارت کے ساتھ الحاق پر رضا مند نہ ہوئے۔ "کشمیر ان دی کراس فائر" کی مصنفہ وکٹوریہ شوفیلڈ لکھتی ہیں کہ جولائی کے اواخر میں جب ماؤنٹ بیٹن نے سنا کہ ہندو کشمیر لینے پر تلے ہوئے ہیں انہوں نے یہ اپنا فریضہ سمجھا کہ ایسے نازک وقت میں نہرو کو کشمیر جانے سے روکیں۔ ماؤنٹ بیٹن جانتے تھے کہ نہرو کے جانے سے حالات خراب ہو

سکتے ہیں۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ مہاراجہ کشمیر اور وزیراعظم کاک نہرو سے شدید نفرت کرتے ہیں۔ اگر اس وقت نہرو نے کشمیر جانے کی ضد کی تو عین ممکن ہے کہ کشمیر کی حکومت انہیں عین اس وقت گرفتار کر کے جیل میں ڈال دے جب انہیں دہلی میں جمہوریہ ہندوستان کا چارج سنبھالنا ہے۔

سرکاری خط و کتابت سے پتہ چلتا ہے کہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نہرو کو کشمیر جانے سے روکنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کی جگہ مہاتما گاندھی نے سری نگر جانے کا پروگرام بنا لیا گیا۔

یکم اگست 1947ء کو مہاتما گاندھی سری نگر روانہ ہو گئے۔ وہ وہاں تین دن ٹھہرے رہے۔ انہوں نے مہاراجہ اور مہارانی کو بھارت سے الحاق کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ واپسی سے قبل انہوں نے "گپکار محل" میں مہاراجہ سے ملاقات کی جو ڈیڑھ گھنٹہ جاری رہی۔ اس موقعہ پر مہارانی بھی موجود تھی۔ گاندھی کو مہاراجہ کی طرف سے دودھ کا گلاس پیش کیا گیا لیکن انہوں نے یہ گلاس لینے سے انکار کر دیا۔ مہارانی نے کھڑے ہو کر گاندھی جی کو یقین دلایا کہ آپ جو بھی ارشاد فرمائیں گے اس کی تعمیل ہو گی۔ مہاراجہ نے بھی تائید کی جس پر گاندھی دودھ کا گلاس لینے پر رضامند ہو گئے۔

لیکن گاندھی سے وعدہ کرنے کے باوجود مہاراجہ ہری سنگھ نے ہندوستان سے الحاق نہیں کیا۔ اس کے برعکس حکومت جموں و کشمیر نے بھارت اور پاکستان دونوں مملکتوں کے سامنے معاہدہ جاریہ کی تجویز رکھی۔ حکومت کا ایک نمائندہ وفد بھارت کی وزارت امور ریاست (States Ministry) کے سیکرٹری وی پی مینن سے معاہدہ جاریہ کے بارے میں بات چیت کرنے گیا تو مینن نے اسے ڈانٹ پلا دی اور اس موضوع پر بات کرنے سے انکار کر دیا۔ اصل میں بھارتی حکومت سوائے الحاق کے کوئی بات سننے کے لئے تیار ہی نہیں تھی۔

12 اگست 1947ء کو مہاراجہ ہری سنگھ ٹیلیگرام (Telegrams) کے تبادلہ کے ذریعے حکومت پاکستان کے ساتھ معاہدہ جاریہ عمل میں لایا جس کے تحت طے پایا کہ تجارت، آمدورفت، رسل و رسائل کے شعبے اسی طرح کام کرتے رہیں گے جس طرح برطانوی دور میں کرتے تھے۔ چنانچہ پاکستان کو ریل، ڈاک، تار اور دریائی تجارت پر کنٹرول حاصل ہو گا۔ بعد میں پندرہ اگست کو جموں و کشمیر اور پاکستان کے درمیان معاہدہ جاریہ پر باقاعدہ دستخط ہو گئے۔

وکٹوریہ شو فیلڈ (کشمیر ان دی کراس فائر) کے مطابق 15 اگست 1947ء کو پاکستان سے معاہدہ جاریہ کر کے کشمیر کو وہ خودمختاری واپس مل گئی جس سے 1586ء میں اکبر اعظم کے سامنے یعقوب شاہ چک دستبردار ہو گیا تھا۔ ریاست کی یہ خود مختار حیثیت 73 دن قائم رہی۔ جب 27 اکتوبر 1947ء کو بھارت نے اپنی افواج داخل کر کے ریاست پر قبضہ کر لیا۔

پاکستان سے معاہدہ جاریہ ہو جانے کے باوجود بھارت کشمیر کو حاصل کرنے کی کوششوں میں مصروف تھا۔ مہاراجہ کی نہرو سے شدید نفرت کے ہوتے ہوئے بھی خط و کتابت جاری رہی۔ وزیراعظم نہرو اور وزیرداخلہ پٹیل باقاعدگی کے ساتھ خط و کتابت کے ذریعے کوشش کرتے رہے کہ کسی طرح کشمیر کو بھارت میں شامل ہونے پر آمادہ کیا جائے۔ ایسٹر سمب لکھتے ہیں کہ 1971ء میں جب سردار پٹیل کی خط و کتابت اور دیگر مسودات کو شائع کیا گیا تو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ بھارت میں کانگریس کی اعلیٰ لیڈر شپ نے کس طرح خود کو بہ نفس نفیس اس منصوبہ بندی میں ملوث کر لیا تھا جس کے تحت کشمیر کو بھارت میں لانا مقصود تھا۔

اسی دوران پاکستان میں کوتاہ اندیش اور بدنیت لیڈروں کا ایک گروہ درپردہ سازش میں مصروف تھا۔ بابائے قوم قائداعظم محمد علی جناح کو بے خبر رکھ کر اکتوبر کے تیسرے ہفتے میں قبائلی لشکر کشمیر میں داخل کرا دیئے گئے۔ ریاست میں قبائلیوں کے داخلے کی تفصیلات اور اس کے عواقب و نتائج اپنی جگہ ایک وسیع موضوع کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس وقت ہم صرف اس کے فوری تباہ کن نتائج کا ذکر کریں گے۔

22 اکتوبر 1947ء کو قبائلی مظفر آباد کے راستے ریاست میں

داخل ہو گئے۔ 24 اکتوبر کو انہوں نے لہورہ کا پاور ہاؤس تباہ کر دیا اور دارالحکومت سری نگر تاریکی میں ڈوب گیا۔ 24 اکتوبر کو ہی مہاراجہ ہری سنگھ بھارت کی اس حکومت کے سامنے ہاتھ پھیلانے پر مجبور ہو گیا جس کی ریشہ دوانیوں کا وہ گذشتہ سات ماہ سے مقابلہ کر رہا تھا۔ 27 اکتوبر کو بھارت کی فوجیں ہوائی جہازوں کے ذریعے سری نگر میں اترنا شروع ہو گئیں۔

قائداعظم کو 24 اکتوبر کو سرکلاڈ آکن لیک (Sir Claud Auchinlick) پاک بھارت افواج کے مشترکہ کمانڈر ان چیف نے اطلاع دی کہ 22 اکتوبر کو پانچ ہزار قبائلی ریاست میں داخل ہو گئے ہیں۔ قائداعظم کو قبائلیوں کے کشمیر میں داخلے کی خبر نے پریشان کر دیا کیونکہ اس طرح بھارتی حکمرانوں کو کشمیر میں مداخلت کا نادر موقعہ فراہم کر دیا گیا تھا۔ نیز پاکستان اور کشمیر کے مابین جو سٹیٹس کو (Status Qou) کا معاہدہ ہو گیا تھا وہ خاک میں مل گیا۔ چنانچہ یکم نومبر 1947ء کو لاہور میں منعقد ہونے والے ایک اجلاس میں گورنر جنرل پاکستان قائداعظم نے گورنر جنرل بھارت ماؤنٹ بیٹن کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ۔

"دونوں گورنر جنرل اعلان کریں کہ کشمیر میں فریقین 48 گھنٹے کے اندر اندر جنگ بند کر دیں اور قبائلیوں کو انتباہ کیا جائے کہ اگر وہ فی الفور جنگ بندی کا حکم نہیں مانیں گے تو دونوں ممالک کی افواج ان کے خلاف مشترکہ کارروائی عمل میں لائیں گی"۔

اب ہم اپنے اصل موضوع یعنی بھارت کے ساتھ کشمیر کے نام نہاد الحاق کی طرف آتے ہیں جس کی بنا پر بھارت کشمیر کو اپنا آئینی حصہ قرار دیتا ہے۔ ان ایام کی منٹ منٹ کی سرگرمیوں کی روئیداد سرکاری دستاویزات میں محفوظ ہے جسے آج تک جھٹلایا نہیں جا سکا۔ قارئین سے درخواست ہے کہ وہ ان تفاصیل کو نہایت غور سے ملاحظہ فرمائیں۔

کشمیر کے وزیراعظم اس وقت مہرچند مہاجن تھے۔ بھارت رام چندر کاک کو وزیراعظم کے عہدے سے ہٹانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ مہاجن کے آتے ہی بھارت کے ساتھ حکومت کشمیر کے رویے میں تبدیلی آگئی تھیں۔ سردار پٹیل اور مہاجن کی خط و کتابت منظر عام پر آچکی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مہاجن نے 23 اکتوبر کو ہی سردار پٹیل سے اسلحہ کی امداد بھیجنے کی درخواست کی تھی۔

24 اکتوبر کو مہاجن نے ایک فوری اپیل کے ذریعے حکومت ہند سے امداد کی درخواست کی۔ گورنر جنرل ماؤنٹ بیٹن اس وقت تھائی لینڈ کے وزیر خارجہ کے اعزاز میں ایک بوفے ڈنر میں مصروف تھے کہ نہرو نے انہیں اطلاع دی کہ قبائلیوں نے کشمیر پر حملہ کر دیا ہے۔

25 اکتوبر کو کابینہ کی ڈیفنس کمیٹی کا اجلاس گورنر جنرل کی صدارت میں ہوا۔ گورنر جنرل کے پریس سیکرٹری ایلن کیمبل جانسن کے مطابق اہم ترین اور فوری مسئلہ یہ درپیش تھا کہ گولہ بارود اور اسلحہ بلا تاخیر کشمیر بھیجا جائے۔ ماؤنٹ بیٹن نے رائے دی۔۔۔ "یہ بدترین حماقت ہو گی۔ اگر ہم ایک غیر جانبدار ریاست کے اندر افواج اور اسلحہ داخل کریں۔ اس کے جواب میں پاکستان بھی فوجی دستے داخل کر سکتا ہے اور دونوں ملکوں کے درمیان جنگ شروع ہو سکتی ہے"۔

گورنر جنرل نے کہا کہ پہلے الحاق کے قانونی تقاضے پورے کئے جائیں۔ الحاق بھی عارضی کیا جائے جو عوام کی رائے کی تصدیق سے غیر مشروط ہو۔

ڈیفنس کمیٹی نے وی پی مینن کو فوری طور پر سری نگر روانہ ہونے کی ہدایت کی۔ جب وہ سری نگر پہنچا تو ہوائی اڈے پر ہو کا عالم تھا۔ مینن نے مہاراجہ کو مشورہ دیا کہ موجودہ صورت حال میں ان کا یہاں اور ٹھہرنا ٹھیک نہیں انہیں فوراً جموں روانہ ہو جانا چاہئے۔ چنانچہ مینن کے مشورہ پر ہری سنگھ اگلے روز معہ خواتین روانہ ہو گیا۔

26 اکتوبر کی صبح مینن اور مہاجن پہلی پرواز سے دہلی چلے گئے۔ مینن دس بجے صبح سیدھا ڈیفنس کمیٹی کی میٹنگ میں چلا گیا۔ وہاں سے 12:45 پر وہ وزیر دفاع سردار بلدیو سنگھ کے گھر چلا گیا۔ بلدیو سنگھ نے اطلاع دی کہ دو کمپنیاں بھیجنے کا فیصلہ ہو گیا ہے۔

مینن کے بیان کے مطابق وہ مہاجن کے ساتھ اسی روز (26 اکتوبر کو) جہاز کے ذریعے جموں روانہ ہو گیا۔ مہاراجہ ابھی سویا ہوا تھا۔ مینن نے اسے جگا کر فیصلہ سنا دیا۔ چٹھی اور دستاویز الحاق لے کر مینن فوراً دہلی روانہ ہو گئے۔ سردار پٹیل ایئرپورٹ پر منتظر تھا۔ دونوں اسی شام ڈیفنس کمیٹی کی میٹنگ میں چلے گئے۔ 27 اکتوبر کی صبح 300 فوجی بذریعہ ہوائی جہاز سری نگر ایئرپورٹ پر اترے۔

مہاراجہ ہری سنگھ 26 اکتوبر کو علی الصبح گاڑیوں کے ایک کارواں میں سری نگر سے جموں روانہ ہو گیا۔ اس نے راستے میں کد میں کچھ دیر قیام کیا۔ سردیوں میں سری نگر سے جموں تک 16 گھنٹے لگ سکتے ہیں لیکن "فریڈم ایٹ مڈ نائٹ" کے مصنفین کے مطابق سفر 17 گھنٹے میں طے ہوا۔ چنانچہ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ مہاراجہ سری نگر سے صبح کے چھ بجے روانہ ہوئے تھے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ رات کو گیارہ بجے جموں پہنچے ہوں گے۔

لیکن مینن کا کہنا ہے کہ وہ 26 اکتوبر کو شام کو دہلی پہنچے تھے جہاں پہنچتے ہی انہوں نے ڈیفنس کمیٹی کی میٹنگ میں شرکت کی تھی۔ قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ 26 اکتوبر کو مہاراجہ سے جموں میں کیسے ملاقات کر سکتے تھے؟

مینن نے یہ بھی کہا ہے کہ مہاجن 26 اکتوبر کو ان کے ساتھ جموں گئے تھے جب کہ مہاجن کا کہنا ہے کہ "26 اکتوبر کی رات کو ڈنر کے وقت مجھے نہرو کا پیغام ملا کہ اگلے روز (27 اکتوبر کو) وی پی مینن کے ساتھ مجھے جموں چلا جانا چاہئے تاکہ مہاراجہ کو فوجی امداد کی منظوری کی اطلاع دی جا سکے"۔

مینن یہ نہیں کہتے کہ دستاویز الحاق پر مہاراجہ کے سری نگر سے روانہ ہونے سے پہلے دستخط ہو گئے تھے۔ اگر اس پر سری نگر میں دستخط ہو گئے ہوتے تو مینن کو یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ اس پر اگلے روز جموں میں دستخط ہو گئے۔

دلچسپ ترین بات یہ ہے کہ دہلی میں برطانوی ہائی کمشنر الیگزینڈر سائمن اور مینن کے درمیان 26 اکتوبر کی شام کو ایک ملاقات ہوئی۔ "فریڈم ایٹ مڈ نائٹ" کے مصنفین "لیری کولنز اور ڈومی نیک لا پیر"

(Dominique Lapierre And Larry Collins)

لکھتے ہیں کہ سائمن اور مینن پینے کے لئے بیٹھے تو مینن کے چہرے پر ایک گمبھیر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے اپنی جیکٹ کی جیب سے ایک کاغذ نکال کر سائمن کی طرف لہرایا اور بولا۔

"Here it is. We have Kashmir. The Bastard signed the Act of accession and now that we have got it. We'll never let it go". Freedom At Midnight P-356)

ترجمہ: "یہ رہا' ہم نے کشمیر لے لیا ہے۔ باسٹرڈ نے الحاق کی دستاویز پر دستخط کر دیئے ہیں اور اب جب کہ ہمیں یہ (کشمیر) مل گیا ہے' ہم اسے کبھی جانے نہ دیں گے"۔

نہرو نے 27 اکتوبر کو مہاراجہ ہری سنگھ کو خط کے ذریعے اطلاع دی کہ مینن جموں سے شام (27) واپس آئے ہیں اور آپ سے ہونے والی گفتگو سے مجھے آگاہ کیا ہے۔ انہوں نے مجھے دستاویز الحاق بھی دی ہے جس پر آپ نے دستخط کئے ہیں۔ میں نے گورنر جنرل کے نام آپ کا خط بھی پڑھا ہے۔

27 اکتوبر کو صبح 300 فوجی بذریعہ ہوائی جہاز سری نگر کے ایئرپورٹ پر اترے۔ 27 اکتوبر میں الحاق کی دستاویزات قبول کرتے ہوئے ماؤنٹ بیٹن نے ایک بار پھر الحاق کو رائے شماری سے مشروط قرار دیا۔

اس ساری تفصیل کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ 27 اکتوبر 1947ء کو جب بھارت نے بذریعہ ہوائی جہاز سری نگر میں اپنی فوج اتاری' اس وقت تک مہاراجہ ہری سنگھ نے الحاق کی کسی دستاویزات پر دستخط نہیں کئے تھے۔ لہٰذا بھارت کا یہ اقدام سراسر بلا جواز اور ایک آزاد ریاست کے اندرونی معاملات میں مداخلت کے مترادف تھا۔

دستاویز الحاق کی صداقت کو کئی دیگر مصنفین نے بھی چیلنج کیا ہے۔ السٹر لیمب نے بھی اپنی کتاب "برتھ آف اے

ٹریجڈی" میں لکھا ہے۔۔۔ "مہاراجہ نے سری نگر سے جموں روانہ ہونے سے پہلے 26 اکتوبر کو دستاویز الحاق پر دستخط کر دیئے ہوتے تو یہ کہنے کی ضرورت باقی نہ رہتی کہ مینن 26 اکتوبر جموں گئے تھے"۔

پنڈت نہرو کے مہاراجہ ہری سنگھ کے نام 27 اکتوبر کے جس خط کا اوپر ذکر کیا گیا ہے اس سے بھی یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ فوجی دستے اور سامان پہلے سری نگر پہنچائے گئے اور دستاویز الحاق (اگر اس کا کوئی وجود ہے) پر بعد میں دستخط کرائے گئے۔

السٹر لیمب نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ 1948ء میں بھارت نے کشمیر کے بارے میں جو قرطاس ابیض (White Paper) شائع کیا اس میں دستاویز الحاق کو کیوں شامل نہیں کیا گیا' حالانکہ بقول لیمب یہ دستاویز بھارت کے لئے مسئلہ کشمیر کے دستاویزی تاج میں ایک ہیرے کی حیثیت رکھتی تھی۔

(برتھ آف اے ٹریجڈی' ص 102-103)۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ اقوام متحدہ میں بھی بھارت زبانی یہ دعوے کرتا رہا ہے کہ مہاراجہ ہری سنگھ نے قانونی طور پر بھارت سے الحاق کی دستاویز پر دستخط کئے تھے اس لئے کشمیر آئینی طور پر بھارت کا "اٹوٹ انگ" ہے۔ سلامتی کونسل کے کسی اجلاس میں آج تک بھارت سے الحاق کی کوئی دستاویز پیش نہیں کی گئی جس سے اس خیال کو تقویت ملتی ہے کہ بھارت کے ساتھ الحاق کی سرے سے کوئی دستاویز موجود نہیں ہے۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ کشمیریوں کی درجنوں تنظیمیں دنیا کے کونے کونے میں آزادی کشمیر کے لئے کام کر رہی ہیں لیکن کسی تنظیم نے اس طرف آج تک دھیان نہیں دیا کہ بین الاقوامی عدالت انصاف میں بھارت کے اس دعوے کو آئینی طور پر چیلنج کیا جائے۔ (بشکریہ حکایت)

For All Publications of Allama Parwez
and recorded lectures on Quran
Please contact:
TOLU-E-ISLAM TRUST
25-B, Gulberg 2 Lahore-Pakistan.

Current Account No.
4107-35
Main Gulberg Branch
Habib Bank Limited
Lahore

Phone: 5753666 - 5764484
Fax: 092-42-5764484
Email: trust@toluislam.com
Internet: http://www.toluislam.com

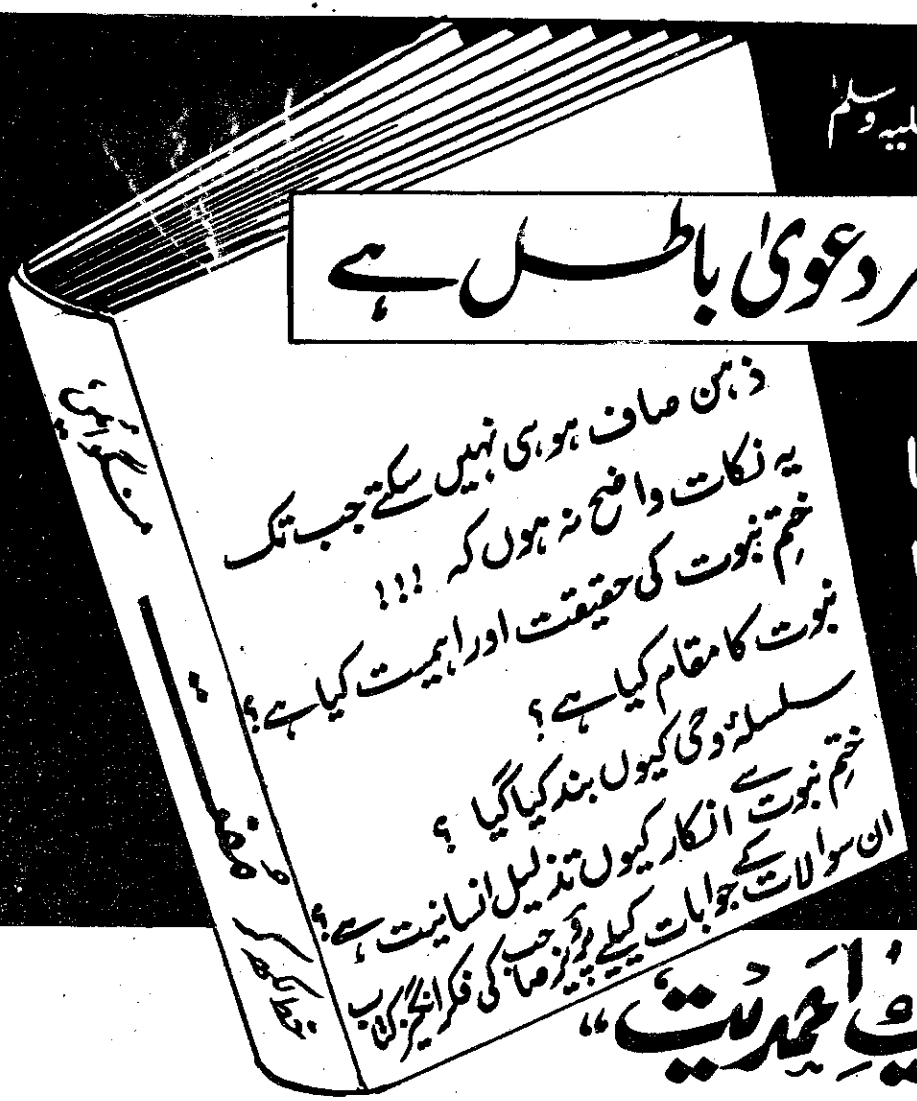

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کے بعد نبوت کا ہر دعویٰ باطل ہے
مسئلہ قادیانیت کا
قانونی فیصلہ تو ہو گیا
لیکن ذہن ابھی تک
صاف نہیں ہوئے
ذہن صاف ہو ہی نہیں سکتے جب تک
یہ نکات واضح نہ ہوں کہ !!!
ختمِ نبوت کی حقیقت اور اہمیت کیا ہے؟
نبوت کا مقام کیا ہے؟
سلسلۂ وحی کیوں بند کیا گیا؟
ختمِ نبوت سے انکار کیوں تذلیلِ انسانیت ہے؟
ان سوالات کے جوابات کیلئے پرویز صاحب کی فکر انگیز کتاب
"ختمِ نبوت اور تحریکِ احمدیت"
طلوعِ اسلام ٹرسٹ 25-B گلبرگ II لاہور 54660

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

طارق محمود

رزق الٰہی اور عالمی بھوک

موجودہ سائنسی دور میں زرعی اور صنعتی پیداوار اپنی مقداری انتہاؤں کو چھو رہی ہے۔ زراعت کے میدان میں جو کچھ پہلے بڑے قطعہ زمین سے حاصل کیا جاتا تھا اب ٹریکٹر' کیمیائی کھاد' جدید آبپاشی اور دیگر سائنسی سہولیات کی بناء پر اس سے کہیں زیادہ پیداوار زمین کے نسبتاً" چھوٹے ٹکڑے سے حاصل کر لی جاتی ہے۔ فیکٹریوں اور ملوں میں دن رات چلتی مشینوں کی وجہ سے بازار میں اشیاء کا سیلاب آیا ہوا ہے۔ لیکن اس معاشی بہتات کے باوجود اگر دنیا پر نگاہ ڈالی جائے تو دل خون کے آنسو روتا ہے مثلاً۔

1- دنیا میں 84 کروڑ افراد کو بھوک اور غذائی قلت کا سامنا ہے۔

2- تیسری دنیا کے 2 ارب انسانوں کو پینے کا صاف پانی تک میسر نہیں۔

3- ملیریا سے ہر 30 سیکنڈ میں ایک بچہ ہلاک ہوتا ہے۔

4- صرف بھارت اور بنگلہ دیش میں تین کروڑ انسانوں کے پاس اللہ کی عطا کردہ مفت زمین پر ذاتی رہائش تک نہیں۔

5- دنیا کی ناقص غذا پر پلنے والے بچوں کی نصف تعداد (84 ملین) صرف پاکستان بھارت اور بنگلہ دیش میں رہتی ہے۔

6- جنوبی ایشیا 500 ملین سے زائد مفلس ترین انسانوں کا ٹھکانہ ہے۔ جبکہ اگر دوسری طرف نظر دوڑائی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ

1- دنیا کے تین امیر ترین افراد کے پاس افریقہ کی مجموعی پیداوار کے برابر دولت ہے۔

2- 225 افراد کے پاس 47% آبادی کا رزق ہے جو کہ 10 کھرب ڈالر سے زیادہ ہے۔

3- 84 امیر ترین لوگوں کے تصرف میں چین کی مجموعی پیداوار سے زیادہ دولت ہے۔

4- سب سے زیادہ امیر ترین افراد جن کی تعداد 60 ہے' امریکہ میں ہیں جن کے پاس 311 ارب ڈالر ہیں۔

5- امریکہ میں کتوں کی خوراک پر 17 ارب ڈالر سالانہ خرچ ہوتے ہیں۔ یورپ میں ہر سال 11 ارب ڈالر کی آئس کریم کھائی جاتی ہے۔ دنیا میں منشیات پر ہر سال 400 ارب ڈالر' افواج پر 780 ارب ڈالر اور یورپ میں شراب پر 105 ارب ڈالر خرچ ہوتے ہیں۔

دو طبقات میں زمین و آسمان کا فرق ظاہر ہے کہ ارتکاز دولت کی وجہ سے ہے۔ مسلمان ہونے کے ناطے اگر قرآن کا مطالعہ کیا جائے تو اس قسم کی آیات سامنے آتی ہیں۔

ترجمہ: "اور زمین پر چلنے پھرنے والا کوئی ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمہ نہ ہو"۔ (سورہ ہود۔ آیت 31)

ترجمہ: "ہم ہی ان کو (تمہاری اولاد کو) رزق دیتے ہیں اور تم کو (بھی)" (سورہ بنی اسرائیل۔ آیت 31)

یہ ہماری کم فہمی ہے کہ ان آیات سے ہم یہ مفہوم اخذ کر لیتے ہیں کہ رزق کی ذمہ داری اللہ خود پوری کر رہا ہے حالانکہ ایسا ہرگز نہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔

ترجمہ: "اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس سے خرچ کرو جو تمہیں اللہ نے دیا ہے تو کفر کرنے والے لوگ ایمان والوں سے

کہتے ہیں کہ کیا ہم (اسے) کھانے کو دیں جسے اگر اللہ چاہتا (تو) کھانے کو دیتا۔ نہیں تم صرف کھلی ہوئی جہالت میں پڑے ہوئے ہو۔" (سورہ یٰسین۔ آیت 47)

گویا معیشت کی ذمہ داری اللہ براہ راست نہیں بلکہ انسانوں کے ذریعے پوری کرانا چاہتا ہے تاکہ دنیاوی معیشت کے ساتھ ساتھ انسان کے اندر کے بے انداز جوہر اور ان مضمر صلاحیتوں کو بھی پروان چڑھایا جا سکے جو کہ اس خدائی نظام کے نفاذ کے لئے صرف ہوں گی اور جسے اقبالؒ نے "تشکیل خودی" کے الفاظ سے یاد کیا۔

اللہ نے کرہ زمین پر انسان کے لئے جہاں رزق کو ذخیرہ کیا وہاں اس کی تقسیم کا نظام بھی عطا کیا۔ لیکن انسان کی خود غرضی اور مفاد پرستی نے سرمایہ دارانہ نظام کی طرف رجوع کیا۔ آیئے سرمایہ دارانہ نظام کی تباہ کاریاں اور قرآن کا نقطہ نظر دونوں کا ساتھ ساتھ جائزہ لیتے ہیں۔

1- نظام سرمایہ داری میں کوئی اپنی کمانے کی صلاحیت (Earning Capacity) کے مطابق جتنا چاہے کما سکتا ہے۔ یوں وہ وسیع پیمانے پر ذرائع پیداوار اور ملکی دولت پر قابض ہوتا چلا جاتا ہے۔ جبکہ کم اکتسابی استعداد رکھنے والا زندگی کی بہت سی سہولیات سے محروم رہتا ہے۔ قرآن بتاتا ہے کہ۔

مفہوم: اکتساب رزق کی بنیادی استعداد اور صلاحیت مختلف افراد میں مختلف ہوتی ہے۔ اسی لئے ہر ایک کی کمائی میں فرق ہوتا ہے۔ استعدادوں کا یہ فرق اس لئے رکھا گیا ہے کہ معاشرہ میں مختلف کام ہوتے ہیں جن کے لئے مختلف قسم کی صلاحیتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ انسانی زندگی کا اجتماعی کاروبار اسی طرح سے چلتا ہے۔ اس سے تکریم انسانیت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

گویا صلاحیتوں کا فرق اس لیے ہے کہ لوگ معاشرے کے مختلف کام کر سکیں۔ مندرجہ بالا آیت میں رزق کا فرق اصل میں رزق کمانے کی صلاحیت کا فرق یا صلاحیتوں کے میدان (انجینئر، مکینک) کا فرق ہے۔ جس کا ذمہ دار فرد کی ذاتی پسند اور مزاج پر ہے کہ وہ کون سا شعبہ (Feild) چنتا ہے۔ مگر سرمایہ دارانہ نظام میں انجینئر کو زیادہ معاوضہ جبکہ مکینک کو معاوضہ دیا جاتا ہے۔ جبکہ دونوں کی محنت کی مقدار برابر ہے۔ کسی چیز کے تخلیقی مراحل میں مختلف صلاحیتوں کے افراد کی ضرورت ہوتی ہے اگر اکتسابی استعداد ایک جیسی ہو تو تقسیم عمل (Division of Labour) ناممکن ہو جائے۔

2- نظام سرمایہ داری میں ایک طبقہ اکتسابی صلاحیت رکھنے کے باوجود محنت نہیں کرتا اور سرمائے سے سرمایہ کمانے کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ زمین کو بٹائی پر دینا، مکانوں دوکانوں کا کرایہ لینا اور سود وغیرہ ایسے طریقے ہیں جس سے دولت بغیر محنت کے بڑھتی (Multiply) ہوتی ہے اور سرمایہ دار بے تحاشا اثاثوں اور املاک کا مالک بن جاتا ہے۔

انسان کو وہی نتائج مل سکیں گے جن کیلئے اس نے محنت اور کوشش کی ہو گی، جیسی جدوجہد اسی قسم کے نتائج۔۔۔ خدائی پیمانہ کے مطابق، معاوضہ صرف محنت کا ہو گا (53:39)۔

3- نظام سرمایہ داری میں اس اصول کو تسلیم کیا گیا کہ اگر ایک شخص اپنی پیدا کی ہوئی دولت میں کسی کو حصہ دار بنانے کو تیار نہیں تو بے شک نہ بنائے۔ لہٰذا مفلس و معذور اگر اپنی جدوجہد سے زندہ نہیں رہ سکتا تو اسے مر جانا چاہئے۔ پیسہ جس کی صلاحیتوں کا ماحصل ہے اسی کے پاس رہنا چاہئے۔ جب قارون (نظام سرمایہ داری کا نمائندہ) کو دولت کھلا رکھنے کے لئے کہا گیا تو اس نے اسی دلیل کو پیش کیا۔

ترجمہ: "(قارون) بولا کہ جو کچھ مجھے ملا ہے اس ہنر کی وجہ سے ہے جو میرے پاس ہے۔" (القصص۔ آیت 78)۔

اس کے جواب میں قرآنی دلیل یہ پیش کی گئی کہ صلاحیتوں کا پوٹینشل تو اللہ کی طرف سے ہے انسان تو صرف محنت کر کے انہیں پروان چڑھاتا ہے۔ (جانوروں میں یہ صلاحیت نہیں دی گئی لہٰذا وہ محنت کر کے بھی اس کی نمو نہیں کر سکتے) لہٰذا معاوضہ صرف محنت کا ہے نا کہ صلاحیتوں کا۔

اللہ نے انسان کو (وحی کے ذریعے) ان حقائق کا علم بھی دیا ہے جنہیں یہ نہیں جانتا تھا۔ لیکن انسان کی کیفیت یہ ہے کہ وہ

اپنے آپ کو وحی کی رہنمائی سے مستغنی سمجھ کر' انفرادی مفاد پرستوں کا نظام وضع کر لیتا ہے جس میں ہر وہ فرد جو کسی طرح زیادہ سمیٹ لیتا ہے اپنے آپ کو دوسروں سے مستغنی سمجھنے لگ جاتا ہے اور اس طرح وہ نوع انسان کی عالم گیر ربوبیت کے تصور سے سرکشی اختیار کر لیتا ہے۔ (96:5-6-7)۔

گویا اگر لوگ اپنی صلاحیتوں کی وجہ سے زیادہ دولت کما لیتے ہیں تو انہیں بطور استحقاق ضرورت مندوں کو اس میں سے دینا پڑے گا۔

ترجمہ : "اور ان کے مال میں (بھیک یا خیرات نہیں بلکہ) حق ہے سائل اور محروم کا۔" (سورہ الزاریات۔ آیت 9)۔

ترجمہ : "اور ہم نے تمہارے لئے اس (زمین) میں سامان معیشت بنایا (اور اس کے لئے بھی) جسے تم رزق نہیں دیتے۔" (سورہ الحجر۔ آیت 20)۔

4- نظام سرمایہ داری میں انفرادی یا شخصی ملکیت کے تصور کو تسلیم کیا گیا۔ حکومت اس ملکیت یا کاروبار میں کوئی مداخلت نہیں کر سکتی۔ جبکہ قرآن نے دولت کو معاشرے کی ملکیت قرار دیا ہے۔ جس کی نگرانی کے فرائض اسلامی ریاست انجام دے گی۔ کیونکہ زمین' اس کی پیداوار اور اس پیداوار سے بننے والی دیگر مصنوعات اللہ تعالیٰ کا بلا قیمت عطیہ ہیں اور انہیں مفت ہی تمام انسانوں تک پہنچایا جائے گا۔ تمام پیداوار اور مصنوعات صرف انسانی محنت سے تیار ہوتی ہیں لہٰذا انہیں محنت کے معاوضے کے طور پر بلاقیمت دے دیا جائے گا۔ قرآن نے کہا کہ۔

زمین اللہ کی ہے (سورہ ھود۔ آیت 64)

دوسری جگہ کہا کہ۔۔ زمین و آسمان کی میراث اللہ کے لئے ہے (سورہ الحدید۔ 10)۔

جس چیز کو اللہ اپنی ملکیت کہتا ہے وہ اصل میں سب انسانوں کی مشترکہ ملکیت ہوتی ہے۔ پھر کہا۔ اور اس زمین کو (اللہ کی) مخلوق کے لئے بچھایا۔ (سورہ الرحمان۔ 10)۔

اب کیونکہ یہ زمین و آسمان اللہ کی ملکیت ہیں لہٰذا زمین کی خرید و فروخت یا اس کی پیداوار کی منافع کیلئے تجارت' زمین کو پگڑی' بٹائی یا کرائے پر دینا قرآن کی رو سے ناممکن ہو جاتا ہے۔ کیونکہ تمام ذرائع رزق اسلامی ریاست کے پاس ہوں گے اور سب کی ضروریات کا خیال رکھا جائے گا۔ کسی کے پاس زمین یا دولت نہ ضرورت سے زیادہ ہو گی نہ ضرورت سے کم۔ لہٰذا نہ کوئی آقا ہو گا نہ غلام' نہ امیر نہ غریب' نہ حاکم نہ محکوم معاشیات کی آزادی کی بناء پر انسان کو ہر قسم کی آزادی مل جائے گی۔ اسلامی معاشرے میں محنت کا معاوضہ کم از کم ضرورت کے مطابق ہوتا ہے۔

ترجمہ : اور وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا کچھ دے دیں تو کہہ دو کہ ضرورت سے زیادہ سب کا سب (سورہ البقرہ۔ 219)۔

قل العفو (کہو کہ ضرورت سے زیادہ سب) ہی اصل میں اسلامی نظام معیشت کا نقطہ عروج ہے جو صدقات اور قوانین وراثت وغیرہ کے تدریجی مراحل سے گزرتا ہوا اپنی انتہا تک پہنچتا ہے اور ہر قسم کے تنازعات ختم ہو جاتے ہیں۔

جو حرفِ قل العفو میں پوشیدہ ہے اب تک
اس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار
انساں کی ہوس نے جنہیں رکھا تھا چھپا کر
کھلتے نظر آتے ہیں بتدریج وہ اسرار
(اقبالؒ)

کمیونزم کا معاشی نظام بھی زائد از ضرورت کی بنیاد پر تھا مگر اس کا فلسفہ حیات اسلام کے فلسفہ حیات سے قطعاً مختلف تھا۔ کمیونزم کا معاشی نظام اس کے فلسفہ حیات کی بنیاد پر ناکام ہوتا ہے جبکہ یہی معاشی نظام اسلام کے فلسفہ حیات کی وجہ سے کامیاب ہوتا ہے۔

5- سرمایہ دارانہ نظام زیادہ سے زیادہ منافع کی لالچ میں اندھا دھند اشیاء پیدا کرتا ہے۔ چونکہ روپیہ پہلے ہی سرمایہ کاروں کی تجوریوں میں جمع ہوتا چلا جاتا ہے اور عوام کی قوت خرید کم ہو چکی ہوتی ہے۔ لہٰذا بازار تو اشیاء سے بھرے ہوئے ملتے ہیں مگر انہیں خریدنے والا کوئی نظر نہیں آتا۔ اسے زائد

پیداوار کا بحران کہتے ہیں۔ جو کہ ہر بیس پچیس سال بعد لازماً پیدا ہوتا ہے۔

6- چونکہ اپنے ملک میں لوگوں کی قوت خرید کم ہو جاتی ہے لہٰذا نئی منڈیاں تلاش کی جاتی ہیں' نو آبادیاں قائم کی جاتی ہیں جو کہ سرمایہ دارانہ نظام کا لازمی نتیجہ ہیں۔ اس مقصد کے لئے دوسرے ممالک کو فتح کرنے کے لئے جنگیں لڑی جاتی ہیں اور بے گناہ انسانوں کا خون بے دریغ بہایا جاتا ہے۔ چند ہاتھوں میں مرتکز دولت کو گردش میں لانے کے لئے اربوں روپے خرچ کر کے وسیع پیمانے پر جنگی تیاریاں کی جاتی ہیں جس سے وقتی طور پر اگرچہ نفع نہیں ہوتا لیکن دولت خرچ ضرور ہونے لگتی ہے۔ دونوں عالمی جنگیں اسی فلسفے کی مرہون منت ہیں۔ اس لیے سرمایہ دارانہ نظام کو جنگجویانہ اقتصادی نظام (War Manager's Economic System) کہا جاتا ہے۔

آج کے دور میں سامراج سیاسی استحصال کے بجائے اقتصادی استحصال کو ترجیح دیتا ہے۔ چنانچہ دوستی کے معاہدے کئے جاتے ہیں یا ایک دوسرے کو امداد دیتے ہوئے اس قسم کی شرائط بھی عائد کر دی جاتی ہیں کہ کسی تیسرے ملک سے مال نہیں خریدا جائے گا۔

تمہیں چاہئے کہ اپنے معاشی نظام میں عدل برتو۔ ماپ تول کو پورا رکھو۔ لوگوں کے حقوق و واجبات میں کمی نہ کیا کرو اور معاشرہ میں ہمواریاں پیدا ہو جانے کے بعد' ناہمواریاں نہ پیدا کرو۔ یہ سب کچھ تمہارے اپنے ہی بھلے کے لئے ہے اگر تم اس پر یقین رکھو (الاعراف- 85)۔

7- جب جنگی پالیسی سے بھی بات نہیں بنتی تو پھر معاشرے کے اندر مصنوعی احتیاج پیدا کی جاتی ہے یعنی ایسی اشیاء تیار کی جاتی ہیں جس کی فی الواقع ضرورت نہ ہو مثلاً ہر قسم کا سامان تعیش وغیرہ۔ اس مقصد کے لئے کروڑوں روپے اشتہار بازی پر خرچ کیے جاتے ہیں تاکہ لوگوں کے اندر یہ اشتہا پیدا کی جائے کہ خرچ کرو اور خوب خرچ کرو' خریدو اور خوب خریدو۔ یوں بازار میں پڑی اشیاء لوگوں کے لیے خدا کا درجہ حاصل کر جاتی ہیں اور لوگوں کی ساری زندگی بازار کے مندر میں ان اشیاء کے بت پوجنے میں ضائع ہو جاتی ہے۔

8- منڈیوں میں اشیاء کی بہتات کا ایک حل تو یہ ہے کہ ان کی قیمتیں گرا دی جائیں لیکن ایسا کرنا سرمایہ دارانہ ذہنیت کے خلاف ہے لہٰذا وسیع پیمانے پر تیار شدہ مال کا ذخیرہ کر کے اس کی مصنوعی قلت پیدا کی جاتی ہے۔ اس طرح پیدا کردہ قحط میں بڑے بڑے تاجر اس شئے کے خریدار بن جاتے ہیں تاکہ وہ بھی کچھ کما سکیں۔ اس کے علاوہ اس شئے کی قیمت بھی بڑھ جاتی ہے۔

9- مصنوعی قلت کی صورتحال بھی زیادہ دیر قائم نہیں رہتی۔ ناچار اشیاء کے نرخ کو برقرار رکھنے کے لیے سرمایہ دار کو یہ ذخائر تباہ کرنے پڑتے ہیں۔ ایسا مشہور ترین اقتصادی بحران 1929ء تا 1939ء کے دور کا ہے۔ چنانچہ 1933ء میں ڈنمارک میں ہر ہفتے پانچ ہزار مویشی ذبح کر کے جلائے گئے۔ 1934ء میں چلی میں دس لاکھ بھیڑوں کے ساتھ یہی سلوک کیا گیا۔ برازیل میں قہوے کی لاکھوں بوریاں سمندر میں غرق کر دی گئیں۔ جبکہ دنیا میں کروڑوں انسان زندگی کی بنیادی ضرورتوں کو ترس رہے تھے۔

10- ان تمام طریقوں کو عمل میں لانے کے باوجود بھی زائد پیداوار کے بحران پر قابو نہیں پایا جا سکتا۔ آخرکار سرمایہ دار اور اجارہ داروں میں نسبتاً کمزور لوگ میدان ہار جاتے ہیں اور انہیں اپنا کاروبار بند کرنا پڑتا ہے۔ بلکہ بعض ذہنی تناؤ کی وجہ سے خودکشی کر لیتے ہیں۔ ایک طرف تو بے روزگاروں کی تعداد بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے اور دوسری طرف پیداوار میں بہت کمی آجاتی ہے۔ مثلاً متذکرہ بالا بحران میں امریکہ میں بے روزگاروں کی تعداد ایک کروڑ بیس لاکھ' جرمنی میں ساٹھ لاکھ اور برطانیہ میں تیس لاکھ سے تجاوز کر گئی جبکہ دنیا میں تانبے کی پیداوار صرف 1/5' ٹین کی 1/3 اور چینی کی 1/4 رہ گئی۔

مندرجہ بالا حقائق سے پتہ چلتا ہے کہ دنیا کا افلاس اصل میں رزق الٰہی کی غلط تقسیم کی وجہ سے ہے۔ دولت کو جمع

کرتے رہنے کی روش معاشرے کو تباہی کے دہانے تک لے جاتی ہے۔ زائد از ضرورت پیسہ ہی اصل میں معاشی دنیا کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ جس کے پاس فالتو روپیہ ہے وہ اسے چھپائے چھپائے پھرتا ہے۔ جبکہ چھیننے والے اس کے آگے پیچھے پھرتے رہتے ہیں۔ جیب تراش، چور، ڈاکو، محکمہ ٹیکس یا "جنت بیچنے والے" اپنے نذرانوں کی صورت میں اسی "زائد از ضرورت" پیسے پر قبضہ کرنے کے لئے وجود میں آئے ہیں۔ حتیٰ کہ اس وقت دنیا میں سیاست جس شکل میں بھی ہے اس کا مقصد اصل میں اسی زائد از ضرورت دولت کو قبضہ میں کرنا ہے اور اس کا علاج قرآن نے قل العفو کی صورت میں دے دیا ہے۔ لیکن قرآن یہ پیسہ زبردستی نہیں نکالتا بلکہ لوگوں کے اندر ایسی نفسیاتی تبدیلی پیدا کرتا ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ محنت کرتے ہیں اور پھر "فالتو پیسہ" از خود لیے لیے پھرتے ہیں کہ خدا کے لیے اسے لے لو۔ کیونکہ قرآن نے واضح طور پر بتا دیا ہے کہ ہم جن پیشہ وارانہ صلاحیتوں کی بناء پر انسانیت کی خدمت کرتے ہیں مثلاً ڈاکٹر، انجینئر، مزدور، مکینک کی حیثیت سے تو اس کا معاوضہ آخرت میں ہے۔ اس معاوضے کو قرآن نے "تزکیہ نفس" کی اصطلاح سے سمجھایا ہے۔ یعنی زندگی کی وہ صلاحیت جس کی بنا پر جسمانی موت کے بعد انسان زندگی کے اگلے مراحل میں داخل ہو سکے گا۔

قرآن کا معاشی نظام ایک ایسا طریقہ کار وضع کرتا ہے کہ جس میں دولت جمع کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ کیونکہ مستقبل کی ضروریات کا تحفظ اسلامی ریاست کرتی ہے۔ رزق دینے کے خدائی وعدے اصل میں اللہ کے نام پر قائم ہونے والے نظام کے وعدے ہیں اور یہ نظام خالص انسانی جدوجہد کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے مگر اس کا فکری منبع قرآن کے اندر محفوظ وحی سے ہی مل سکتا ہے۔

اپیل

اگرچہ کراچی شہر کو تحریک طلوع اسلام کا اولین گہوارا ہونے کا شرف حاصل ہے اور اہالیان کراچی درس قرآن کی اس روایت کو جس کی طرح علامہ غلام احمد پرویزؒ نے ڈالی تھی، اسی طرح قائم رکھے ہوئے ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ اتنی بڑی آبادی والے اس مالدار شہر میں کوئی مستقل قرآنی درسگاہ آج تک قائم نہیں کی جا سکی لہذا قرآنی فکر سے دلچسپی رکھنے والے حضرات سے اپیل ہے کہ وہ جس قدر جلد ہو سکے ہماری مالی معاونت فرما کر کراچی میں مستقل قرآنی درسگاہ قائم کرنے میں ہمارا ہاتھ بٹائیں۔ عطیات بزم طلوع اسلام کراچی (صدر) اکاؤنٹ 1-60299، حبیب بینک لمیٹڈ (کورنگی روڈ برانچ (1910) فیز II۔ ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی کراچی کے نام ارسال فرمائیں۔

بزم طلوع اسلام کراچی (صدر)

مرنے کے بعد کیا ہو گا؟

ہر شخص کے ذہن میں یہ سوال ابھرتا ہے' لیکن اس کا جواب کہیں سے نہیں ملتا۔ انسانی ذہ
کا جواب دے ہی نہیں سکتا کیونکہ اس کا دائرہ کار دنیاوی زندگی تک محدود ہے۔

اس کا جواب قرآن مجید ہی دے سکتا ہے

کیونکہ وہ اس خدا کی کتاب ہے جو عالم الغیب والشہادۃ ہے۔ لیکن قرآن مجید کے ان حقا
سمجھنے کے لئے بڑے وسیع علم اور گہری فکر کی ضرورت ہے!

مفکر قرآن جناب پرویزؒ نے اپنے مدت العمر کے غور و فکر کے بعد ان حقائق کو اپنی معرکہ آراء تص

جہان فردا

میں صاف' سادہ لیکن دلکش انداز میں پیش کر دیا ہے۔ اس میں موت و حیات' برزخ' حشر' نش
قیامت' حساب کتاب' اعمالنامہ' میزان' جنت' دوزخ اور حیات جاوداں وغیرہ تمام مباحث
گئے ہیں!

یہ بڑی بصیرت افروز اور حقیقت کشا کتاب ہے۔

قیمت (علاوہ ڈاک و پیکنگ خرچ)

سٹوڈنٹ ایڈیشن Rs. 110/=

اعلیٰ ایڈیشن Rs. 220/=

منیجر طلوع اسلام ٹرسٹ

* * *

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فکر

بہترین تحریکی کارکن

(تحریر: ارشاد احمد دانش)

...ص کی نسبت ایک تحریکی کارکن تین رشتوں سے
ہوتا ہے ایک معاشرے کے افراد کے ساتھ دوسرا اہل
ساتھ اور تیسرا تنظیم کے ساتھ۔
...ب اس کے ساتھ مسئلہ یہ کھڑا ہوتا ہے کہ اگر وہ اہل
زیادہ وقت دیتا ہے تو تنظیمی ساتھیوں کو اس سے شکایت
جاتی ہے اور اگر تنظیم کیلئے زیادہ وقت صرف کرتا ہے تو
... اس سے ناراض ہو جاتے ہیں حالانکہ بہترین کارکن
کہا جا سکتا ہے جس سے دونوں طبقات خوش ہوں اگر
... بھی ہوں تو دونوں فریقین کو کوئی شکایت نہ ہو لیکن ایسا
ممکن ہو سکتا ہے؟
پیشتر اس سے کہ ہم بات کو آگے بڑھائیں ہم پہلے یہ
ہیں کہ اس عدم توازن کی وجوہات کیا ہوتی ہیں۔
کچھ ارکان ایسے ہوتے ہیں جنہوں نے تحریکی مشن کو اپنی
...ی کی اولین ترجیح بنا لیا ہوتا ہے۔ اٹھتے بیٹھتے ہر جگہ تحریک
ان پر سوار ہوتی ہے لیکن تحریک میں ان کی اس قدر لگن
مصروفیت اہل خانہ کیلئے کچھ مسائل کھڑے کر دیتی ہے۔
گھر کے افراد انہیں اس بات کا احساس دلاتے ہیں تو ان کا
خیال ہوتا ہے کہ خدمت دین کی راہ میں ایسے مسائل تو
...تے ہی رہتے ہیں للذا ان کی کوئی اہمیت نہیں۔
علاوہ ازیں جب ایک فرد کسی تحریک سے منسلک ہوتا ہے
ابتدا" اس میں پیدا ہونے والی تبدیلی کو مثبت انداز میں لیا جاتا
ہے۔ لیکن جب وہ مسلسل گھر واپس لیٹ پلٹتا ہے' گھر کے باقی

امور پر پوری توجہ نہیں دیتا' سودا سلف وقت پر لا کر نہیں دیتا'
بچوں یا بہن بھائیوں اور والدین کو پورا وقت نہیں دیتا' عزیزوں
کے ہاں وقت پر نہیں پہنچ پاتا تو یہ سارے عوامل مل کر گھر
والوں کے دل میں شکایات کا دفتر بنا دیتے ہیں۔ گھر والوں ...
زبان پر لمحہ بہ لمحہ شکایتیں ہوتی ہیں۔ والدین کہتے ہیں ...
ٹھیک ٹھاک تھا' تحریک نے اسے پاگل اور ماں باپ کا ...
دیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اگر شادی شدہ ہے تو اس کی اہلیہ ...
طرح کے وسوسوں کا شکار ہو جاتی ہے۔ بچے اپنے والد کی ...
سے عجیب بیگانگی کا رویہ محسوس کرتے ہیں۔ اگر اسے اہل ...
ذمہ داریوں کا احساس دلایا جائے تو وہ ان باتوں کو ...
کوشش ہی نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ اپنے آپ کو قرآنی و ...
تحریک کا رکن سمجھتا ہے۔ اپنی جدوجہد کو جہاد سے تعبیر کر...
ہے۔ اس کی دانست میں حق پر چلنے والوں کی مخالفت ابتدا ...
سے ہی شروع ہوتی ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ جس عظیم مقصد ...
وہ کوشش کر رہا ہے یہ رشتے ناطے اسے کبھی بھی اس سے
روک سکیں گے۔ حتیٰ کہ وہ اس صورت حال کو حق و باطل ...
جنگ قرار دیتا ہے لیکن اپنے غلط اور غیر متوازن رویے کو ...
نہیں پاتا۔
ہر انسان کچھ خوبیوں اور خامیوں کا مجموعہ ہے۔ ہر ...
محسوس کرتا ہے کہ کچھ لوگ اس سے بہتر پوزیشن میں ہیں ...
کچھ لوگوں سے وہ بہتر پوزیشن میں ہے۔ بدقسمتی سے ...
کارکنان کے والدین کی نگاہ اپنے بیٹے سے بہتر افراد پر ہوتی ...

اور وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہمارا بیٹا اگر تعلیم میں کسی سے پیچھے رہ گیا ہے تو اس کی وجہ وہ تحریکی ذمہ داریاں ہیں جن کی ادائی میں وہ اپنے تمام حقوق و فرائض بھول کر لگا رہتا ہے۔ گھر کے باقی افراد بھی اپنے بھائی یا بیٹے سے بہتر لوگوں پر تو نگاہ رکھتے ہیں لیکن اس سے کمزور افراد پر نظر نہیں رکھتے کہ آخر ان کے پیچھے رہ جانے کی کیا وجہ ہے؟ پھر وہ مقابلہ بھی محض ظاہری اور مادی وسائل کے حصول میں کرتے ہیں جو حقیقی کامیابی یا ناکامی کا کوئی مسلم معیار نہیں۔

چونکہ انسان ایک معاشرتی حیوان ہے اس لیے وہ لوگوں سے کٹ کر نہیں رہ سکتا۔ جب کارکن یہ دیکھتا ہے کہ گھر اور معاشرے کے دیگر افراد اس سے دور رہنے لگے ہیں۔ تحریک سے غیر منسلک افراد اس سے مادی لحاظ سے آگے بڑھ گئے ہیں۔ تو وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اہل خانہ کا اصرار واقعی بجا تھا لیکن اسے تحریک کے مقصد اور کامیابی پر پکا ایمان ہوتا ہے اس لیے اسے بھی نہیں چھوڑ سکتا۔ اب اس کی سوچ اس طرف منتقل ہو جاتی ہے کہ کیوں نہ میں وقتی طور پر تحریک سے چھٹی لے لوں اور اپنے مالی حالات بہتر کر کے یا تعلیم مکمل کر کے تحریک کو دوبارہ جوائن کر لوں۔ اگرچہ اس لمحے کارکن اخلاص نیت سے مشن کیلئے پہلے سے زیادہ موثر ہونے اور زیادہ بہتر انداز میں مشن پر واپسی کیلئے جا رہا ہوتا ہے۔ لیکن اکثر ایسا دیکھا گیا ہے کہ جب ایک فرد تحریک کی سرگرمیوں سے علیحدہ ہو جاتا ہے اس کا رابطہ تحریک کے ساتھ آہستہ آہستہ کمزور ہوتا جاتا ہے بالآخر ختم ہو جاتا ہے۔ یوں بھی ہوتا ہے کہ اسے بعد میں آنے والے تحریکی عہدیداران کمزور اور غیر فعال نظر آتے ہیں۔ تحریک میں کام رکا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ رفتہ رفتہ اس کا تحریک کی کامیابی پر ایمان متزلزل ہو جاتا ہے۔ اس کا یہ خیال ہوتا ہے کہ تنظیم میں میرے واپس آنے یا نہ آنے سے کیا فرق پڑے گا؟

اس ساری صورت حال کو سامنے رکھتے ہوئے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ تحریک کے نظم کو تو کسی بھی صورت میں نہیں چھوڑا جا سکتا۔ البتہ ایسا لائحہ عمل تیار کیا جائے جسے اپنا کر نہ صرف ہم تحریکی ذمہ داریوں سے بخوبی عہدہ برآ ہو سکیں بلکہ اپنے اہل خانہ کو بھی خوش رکھ سکیں۔ اس کیلئے درج ذیل پہلوؤں پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔

(1) چونکہ دنیا میں وقت انسان کیلئے سب سے قیمتی چیز ہے اس لئے جو لوگ وقت کا بہتر استعمال کرتے ہیں وہی لوگ کامیابی سے ہمکنار ہوتے ہیں۔ اکثر اوقات ہم کئی گھنٹے صرف کر کے مشن کی خدمت سرانجام دیتے ہیں لیکن اگر ہم وقت کے استعمال کی تھوڑی سی شعوری کوشش کریں تو وہی کام تھوڑے سے وقت میں سرانجام دیا جا سکتا ہے۔ جیسے ہمارے بہت سے اجلاس دیر سے شروع ہوتے ہیں اور کئی گھنٹے صرف ہونے کے بعد بھی کسی فیصلہ پر پہنچے بغیر اختتام پذیر ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ اگر مشاورت کے اصولوں کو پیش نظر رکھا جائے تو اس سے کئی گھنٹے بچائے جا سکتے ہیں۔ تحریکی کارکنان میں اکثر نامناسب عادت یہ بھی دیکھی گئی ہے کہ عام ملاقاتوں میں کئی کئی گھنٹے صرف کر دیتے ہیں اور اس گفتگو میں اپنے ساتھیوں پر اعتراضات اور ادھر ادھر کی باتوں کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ حالانکہ اس سے نصف وقت اگر دعوت و تنظیم میں صرف کیا جائے تو کم از کم آپ کے علاقے میں انقلاب آسکتا ہے اور باقی آدھا وقت اگر گھر والوں کو دیا جائے تو پریشانیاں کافی حد تک کم ہو سکتی ہیں۔

(2) اگر مخصوص حالات میں تحریکی مصروفیات زیادہ وقت کا تقاضا کر رہی ہوں تو اہل خانہ کو اعتماد میں لے کر زیادہ وقت بھی صرف کیا جا سکتا ہے۔

(3) اگر مندرجہ بالا ہدایات پر عمل کیا جائے تو کافی سارا وقت بچایا جا سکتا ہے لیکن ہمارا مقصود صرف وقت بچانا ہی نہیں وقت کا بہتر استعمال بھی ہے۔ آپ کو اپنے گھر کے افراد سے کترانا نہیں چاہیئے۔ اگر وہ یہ چاہتے ہیں کہ آپ ان کے مسائل کو سمجھیں تو کیا یہ ان کی سوچ درست نہیں؟ تحریکی ذمہ داریاں آپ کو اس سے بری الذمہ تو نہیں کرتیں۔ ایسے امور پر اپنے والدین سے بات کریں۔ آپ کی باتیں یقیناً ان کو حوصلہ

دیں گی اور وہ یہ سمجھیں گے کہ ان کا بیٹا جوان ہو کر ان کا بازو بن رہا ہے۔ اب اگر ہم جذبہ جہاد سے ان ذمہ داریوں کو بھی پورا نہ کریں تو ہماری تحریکی خدمات کا کیا فائدہ؟

(4) چونکہ تحریکی کارکن کی زندگی گھریلو مخالفت و دباؤ ہی کی وجہ سے غیر متوازن ہوتی ہے اور اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ جس چیز کو وہ حق سمجھ رہا ہوتا ہے باقی اسے باطل سمجھتے ہیں۔ اسی وجہ سے اہل خانہ اور کارکن کے مابین اختلافات جنم لیتے ہیں۔ جو شعور و آگاہی اسے حاصل ہوتی ہے باقی اس سے محروم ہوتے ہیں۔ اس لیے اس مسئلے کا مستقل حل یہ ہے کہ جو بات آپ سمجھتے ہیں وہ گھر والوں کو بھی سمجھائیں۔ جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں وہ گھر والوں کو بھی دکھا دیں۔ امت مسلمہ کی زبوں حالی کا جو دکھ آپ کے سینے میں ہے ان کے سینوں کو بھی اس درد سے آشنا کریں۔ ایسا کرنے سے تحریک سب کے رگ و پے میں سما جائیگی۔ سب کی سوچیں انقلاب آشنا ہو جائیں گی۔ پورا گھرانہ اسی رنگ میں رنگا جائیگا۔ پھر معاشرے کے لوگ چاہے اس کے متعلق شکایت کریں یا نہ کریں، گھر کے افراد سے تو کوئی شکوہ نہ ہو گا۔ ویسے بھی معاشرے میں تحریکی افراد کی تعداد لاکھوں میں ہے لیکن ابھی ایسے گھرانوں کی تعداد بہت کم ہے۔

اشتہارات کے نرخ یہ ہیں

صفحات	ایک بار	سال بھر کے لئے
باہر (ٹائیٹل)	=/800 روپے	=/6,000 روپے
اندر ٹائیٹل	=/600 روپے	=/5,000 روپے
اندر کے صفحات	=/500 روپے	=/4,000 روپے
نصف صفحہ	=/300 روپے	=/2,000 روپے

مذکورہ شرح ایک رنگ کے اشتہار کے لئے ہے۔ اجرت اشتہار مسودہ کے ہمراہ ارسال فرمائیں۔

ادارہ طلوع اسلام کا اکاؤنٹ نمبر

مجلّہ طلوع اسلام اور پمفلٹس کے لئے اپنی رقوم ادارہ طلوع اسلام کے اکاؤنٹ نمبر 3082-7 نیشنل بینک۔ مین مارکیٹ گلبرگ لاہور میں ارسال فرمائیں۔ شکریہ

سرکولیشن مینجر

وہ کون سا دماغ ہے ---

جس میں -- اس قسم کے سوالات نہیں ابھرتے کہ :

- کیا انسان کی قسمت پہلے سے لکھی ہوتی ہے ؟
- کیا سب کچھ خدا کی مرضی سے ہوتا ہے ؟
- کیا غریبوں کی قسمت ہی ایسی ہے کہ وہ ساری عمر دھکے کھاتے رہیں ؟
- کیا خدا کو ایسا ہی منظور ہے ؟
- کیا موت کا ایک دن مقرر ہے یا وہ آگے پیچھے بھی ہو سکتی ہے ؟
- بعض بچے پیدائشی اندھے، لولے، لنگڑے کیوں ہوتے ہیں؟ کیا یہ بھی خدا کی مرضی سے ہوتا ہے؟
- اگر خدا کے ہاں عدل ہے تو وہ ظالموں کو ظلم سے کیوں نہیں روکتا ؟
- کیا دعا سے تقدیر بدل جاتی ہے ؟ اگر نہیں بدلتی تو ہم دعا کیوں کرتے ہیں ؟

یہ، اور اسی قسم کے دیگر سوالات کا تعلق مسئلہ تقدیر سے ہے جس نے انسانی ذہن کو ہمیشہ طلسم پیچ و تاب بنائے رکھا ہے۔

یہی وہ مسئلہ تھا جس کو صحیح طور پر نہ سمجھ سکنے کی وجہ سے کارل مارکس نے کہہ دیا کہ :

مذہب عوام کے لئے افیون ہے

جناب پرویزؒ نے -- دنیا کے اس مشکل ترین مسئلہ کو -- اپنی تصنیف

کتاب التقدیر

میں، قرآن کریم کی روشنی میں، اس عمدگی سے حل کر دیا ہے کہ اس کے بعد ذہن میں کوئی خلجان باقی نہیں رہتا۔

قیمت (علاوہ ڈاک و پیکنگ خرچ)

سٹوڈنٹ ایڈیشن Rs. 125/=

اعلیٰ ایڈیشن Rs. 250/=

منیجر طلوع اسلام ٹرسٹ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہندوؤں کے اصول سیاست

ہندوؤں کی قدیم تاریخ میں ایک ہی سیاسی فلاسفر کا نام ملتا ہے۔ یعنی چانکیہ۔ اس کا لقب کوٹلیہ تھا۔ جس کے معنی مکار اور فریب دہ ہیں۔ اس فلاسفر نے اصول سیاست پر ایک کتاب لکھی تھی جسے ارتھ شاستر کہا جاتا ہے۔ یہ شاستر' ہندو لیڈروں کے لئے بہت مقدس اور مشعل راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں سیاست کے جو چند اصول بطور ضابطہ ہدایت دیئے گئے ہیں' وہ قابل غور ہیں:

پہلا اصول: حصول اقتدار اور ملک گیری کی ہوس کبھی ٹھنڈی نہ ہونے پائے۔

دوسرا اصول: ہمسایہ سلطنتوں سے وہی سلوک روا رکھا جائے جو دشمنوں سے روا رکھا جاتا ہے۔ تمام ہمسایوں پر کڑی نگرانی قائم رکھی جائے۔

تیسرا اصول: غیر ہمسایہ حکومت سے دوستانہ تعلقات استوار رکھے جائیں۔

چوتھا اصول: جن سے دوستی رکھی جائے ان سے دوستی میں ہمیشہ اپنی غرض پیش نظر رہے۔ اور مکارانہ سیاست کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے۔

پانچواں اصول: دل میں رقابت کی آگ ہر وقت مشتعل رکھی جائے۔ ہر بہانے سے جنگ جاری رکھی جائے اور اس جنگ میں انتہائی تشدد سے کام لیا جائے حتیٰ کہ خود اپنے شہریوں کے مصائب و آلام کی بھی پرواہ نہ کی جائے۔

چھٹا اصول: مخالفانہ پروپیگنڈہ' تخریبی کارروائیاں' ذہنی انتشار پیدا کرنے کی مہم' دوسرے ملکوں میں اپنے آدمی ناجائز طریق سے داخل کر کے پانچویں کالم کی طرح یہ سب کچھ مسلسل کیا جائے۔

ساتواں اصول: رشوت اور دوسرے ذرائع سے اقتصادی جنگ جاری رکھی جائے۔ دوسرے ملک کے آدمیوں کو خریدنے کی کوشش کی جائے۔

آٹھواں اصول: امن کے قیام کا خیال بھی دل میں نہ لایا جائے خواہ ساری دنیا تمہیں اس پر مجبور کرے۔

یہ ہیں سیاسی اصول' اس قوم کے جس کے ساتھ (بدقسمتی سے) ہمیں بطور ہمسایہ واسطہ پڑا ہے۔

فغانِ من دلِ خلق آب کرد' ورنہ ہنوز
نہ گفتہ ام کہ مراکار با فلاں افتاد

DARS-E-QURAN

IN FOREIGN COUNTRIES

CANADA	627 The West Mall, Suit-1505 Etobicoke, ONT M9C 4W9 Ph:(416) 245-5322	First Sunday of the Month	1100 Hrs
DENMARK	Mr. M.Afzal Khilji Gammel Kongevej, 47, 3.th, 1610 Kohenhavn V	Last Saturday of the Month	1900 Hrs
NORWAY	Galgeberg, 4th Floor, Trosvik Snippen -- 3, 1670, Fredrikstad.	Every Sunday	1200 Hrs
ENGLAND	76, Park Road, Ilford Essex, Ph:0181-553-1896.	First Sunday of the Month	1430 Hrs
ENGLAND	72, Herent Drive Clayhall, Ilford Essex. *Contact:* Mrs. Rubina Khawaja Ph:0181-550-3893 *OR* Mrs. Surraya Farhat Ph:0181-553-1896 (Halqa-e-Khawateen London Bazm)	Last Sunday of the Month	1430 Hrs

But today, considering the whole journey of our national history, which is, perhaps, no better than the saga of plight and misery, we can feel what the absence of a right leader can do to a nation. Destiny gave him hardly a year to lead the newly born country, and he parted his nation in Septemeber 1948, leaving the "counterfeit coins in his pocket." Since then, hardly any moment may have elapsed when his conspicuous absence was not lamented by this orphan nation. Yet the irony of the whole scenario is that the nation, particularly the intellectuals and those at the helm of affairs, remained indifferent to his exemplary character and fatherly guidance. Despite all that, I would like to repeat his piece of advice for the nation with the hope that in the air of confusion and disintegration, we may show some respect to the resonance of his message, and give up looking for a Messiah out of our ownselves. Allah has blessed us with the faculty of reason and the Quranic guidance, and these should be enough for any individual to put at least, his own self on the right track. It is obligatory to guide others in a gentle manner, but more than this they stand not our responsibility; their needs lie with them; we can bring the horse to the water but cannot make him drink.

On October 30, 1947, the Quaid in his broadcast speech from the Radio Pakistan Lahore, addressed the nation and advised:

> "While the horizon is beset with dark clouds, let me appeal to you and give this message to the people of Pakistan. Create enthusiasm and spirit and go forward with your task, with courage and hope and we shall do it. Are we down-hearted? Certainly not. The history of Islam is replete with instances of valour, grit and determination. So march on notwithstanding obstructions, obstacles and interference; and I feel confident that a united nation of 70 million people with a grim determination and with a great civilization and history need fear nothing. It is now up to you to work, work and work; and we are bound to succeed. And never forget our motto: Unity, Discipline and Faith."

He further emphasised it on August 27, 1948, that "when the essence of my advice is boiled down, it comes to this --- that every Musalman should serve Pakistan honestly and selflessly."

Now it is our turn to think, particularly when the verdict of the Quran is very clear that:

> "Allah does not alter the condition of a people until they bring about a change in their inner-selves (8:53) and this change obviously takes place in accordance with their intentions, desires and actions. The law of *Mukafa'at* is so strict that when chastisement comes, none can avert it nor can people have any protector besides Allah." (13:11)

****

come from the middle class, and it is not difficult if we realise it. Good and able people are obliged to come forward and lead their other countrymen, not by way of preaching, for it won't have any effect, but by illustration of their own characters. The circumstances are such that if we do not prepare oursleves for a peaceful change, we shall make the bloody revolution inevitable very soon. Hence we need the noble pioneers (السابقون الاولون) to set examples of character and launch the supreme struggle to help our society upgrade.

This, however, is a wrong attitude that we only want to enjoy the fruits of revolution but do not wish to make efforts required for it. This is escapism from responsibility, from sacrificing, and hence from character. Every case of brain drain from our country does not provide solid ground or reasonable justifications.Go abroad for education.skills,and higher learnings,but then consider solemnly what your resourceful persons are contributing to the uplift of your nation.China is a great example before us; many of her childern came back--- with knowledge, plans and enthusiasm, and the way they helped the uprising and organising of their society on progressive grounds is just remarkable. We must not remain oblivious of the fact that patriotism demands commitment, labour, and sacrifices. Foreign remittances cannot do all that. If the U.S and Europe are highly developed today, it is because their people struggled for it. And same is the stipulation in our case. No aliens would ever come to help us or to smash our idleness in a gentle way. We, like sane individuals, would have to forge our path for the collective good and workout ourselves the panacea of our ills. If Sir Syed Ahmed, M.A. Jinnah, Voltaire, Rousseau, and many others got inspiration from England, they also made their way back home and prepared the grounds for the advancement of their nations. As a matter of fact everyone wishes to enjoy living in a paradise, but rare are the people who persist and endeavour to create a paradise out of misery and chaos of their own society. Such are the people who really "belong to the ages" and act as role models for all human individuals, partricularly those belonging to the undeveloped countries.

In the end I feel very much obliged to mention about the Quaid-i-Azam Muhammad Ali Jinnah, the father and founder of our beloved country. His whole life is a classic example of character commitment, and struggle. He was one individual, a thin, frail man, carrying the secret of fatal disease with him from his last ten years --- kept surviving and striving simply through the vigour of this character and sheer will-power. He was one individual who faught the battle of his nation almost single-handedly, and for this cause, noblest of the nobles, he did throw his private life over board, worked all day long and till late at night, hardly four hours would he sleep out of twenty four of the kind nature. Beverly Nichols intends to interview him but gets the appointment at about 2 A.M. When the English journalist expressed his surprise over that odd hour, which should have been allocated to sleep, the Quaid replied that his nation was sleeping, therefore he had to keep awake.

of that piety that cannot even make the presence of good felt? No matter how high our visions are, or how sincere our passions may be, until and unless we strive actively and act positively, we cannot mark the existence of those lofty ideals we claim to believe in as Muslims. Blind persuation of religious dogmas and ritualism cannot supply the inspiration and the force indispensible to combat evil and transgression. But whoseoever claims to be a Muslim is bound to display his/her own character in harmony with the Quranic Permanent Values. He has to fight--- fight against all social injustices, fake icons, superstitions and anything that confronts the Quranic manifesto. There is no compromise about it, as the Quran says:

> "At present you tend either to conceal the truth (2:159) or (by mixing Divine revelation with your self-made traditions) to confound the truth with falsehood in such a manner that what is false appears to be true. You do this knowingly for your vested interests." (2:42).

Kahlil Jibran has very rightly stated that: "remember, one just man causes the devil greater affliction than a million blind believers."

Furthermore, like any declined human community, we also hold a very dangerous attitude. Let me put it in a sentence: *We shall change ourselves for the good, but with the condition that the whole society changes itself* It is a childish approach I must say. We often overhear people passing remarks such as: "Well. I am not the only person who do this"-- "Consider what the common folk would say?" --- "You better first change others then come to me"-- "Well, it is necessary to survive in this crafty and selfish community"--- "We have to keep pace with the world"-- etc. etc.

This is how we defend our positions from one unpleasant thing by doing the other. The wickedness of one person keeps on justifying the wickedness of all other persons by and by, till there meet the two ends of this vicious spiral-- the stage when we start doing unscrupulous things quite as a matter of routine with no signs of regret at all. This is simply death--- the death of our "human self". It is hardly need to say that our nation has tremendous genius and potentials to rise even at the top, but our lethargy and characterlessness is just killing us, wasting away all our efforts and jeopardising the edifice of our soulful existence at collective level. It is high time that we think, and invoke sanity. We cannot persue the darkness for long. It has no other result except to fall. And when a nation falls, then its rebirth is preceeded by the painful challenge of centuries. We must think-- think what we are going through, and what we are leaving behind. If we love our children--- our country-- and at large this beautiful globe of ours, then we have to sacrifice our 'today' for the construction of a 'better tomorrow'. The individuals should realize their power and importance. It is correct that things are really bad in our country, but they are worse because of our pessimism and false sense of helplessness. Our nation consists of a very resourceful people from all respects. The only thing they need and which will trigger the blast of their country's advancement, is awareness and direction. Our political role models are bad guides even of their own selves, leave alone guiding the nation. The leadership

prevalent society and its features is hardly better than the pre-Islam Arab society. ther. they were better in the respect that they were pure non-believers, and here we ily are pure Muslims. According to M.M.Pickthal, "the conduct and condition of Muslims now is a very bad advertisement for the teaching of Islam." This is how are derailed and regressed to darkness. About fourteen centuries back, the olution of Islam took place which transformed the whole Arab society into the most orous, dynamic and leading nation of the world. And in order to revive our evalent society in the same way, we have to show the same spirit, commitment and uggle which was portrayed by the holy Messenger and his great companions. The hole life of a Muslim is the supreme struggle (Jihad), for the peace and collective od of all humanity. And when we claim ourselves to be Muslims, we have to prove by virtue of our character and rightful stride. We have the Book of Allah which is Messiah of all human ills and problems. This, however,remains out of question to ltivate good without sowing its seed in our soil today. And then the manifestation of fruits of our efforts will take its natural course and time. Meanwhile, we have to ow utmost trust and conviction in the laws of Allah and work with perseverence. rd task, no doubt; but to become a Muslim means to take unto yourself this great sponsibility. And no one can turn his responsibility unto others (See the Quran 7.15) We have to make sacrifices and work with spirit and zeal. No plain road leads higher success but an onward and upward movement---- an uphill task. We have to ep on moving uprightly throughout our life irrespective of the scale and circle of our ork. If the circumstances are not quite so favourable, "act silently" like great men. As matter of fact, even a person with great oppression and restraints can explore the enues to contribute something for the good even if that amounts to a single drop of ocean; and this "little" is more valuable than the "much" of that person living in a nducive atmosphere. But progress is a must at all costs. Our Nabi Muhammad PBUH) has been reported to have said that if a person repeated two days alike, he as a sufferer.

A productive and meaningful life is the one that is filled with struggle and nstructive occupations. Work, work, and work, were the most frequently uttered ords of the Great Qaid.Voltaire,the giant of the French revolution, makes a point "the further I advance in age, the more I find work necessary. It becomes in the run the greatest of pleasure, and takes the place of the illusions of life." Therefore se who put their labour and perform their share of responsibility never get pressed or disheartened. On the contrary this depression and helplessness are ssessed by those whose lives remain no more productive for the cause of collective od, who just don't act, but make fuss of others' lethargy and apathy. It is great pity those who work vehemently are mostly the devil's agents, before whom good ple pose so helpless and idle. And where some person upholds the good with our and guts, he is suppresed by the powerful minority, as well as least encouraged the shrinked majoirty. It is a heart breaking irony. What the hell is the significance

But the question arises, who is going to fight against it? It is we who go for electing the "Neroes" of our time and then let them revel over the ashes of our social decadence. This exploitive status quo cannot sustain for a single moment without the support of the suppressed majoirty. When an individual surrenders thinking that he is helpless against all brutality, injustices and exploitations, he becomes a part of it. hence further strengthening the grip of this vicious circle. No evil can flourish in a society as long as the good people strive against it. Goodness accompainied by weakness is a dangerous combination. Are we really that passive and helpless to shun our resistence and vigour of character? Then surely, we have built walls of our own individual vested interests. Intellectually we break them but practically we raise them. In the words of the Qaid-e-Azam:

> "We have lost the fullness of our noble character. And what is character?-- Highest sense of honour and the highest sense of integrity-- conviction--- incorruptibility, readiness at any time to efface oneself for the collective good of the nation"

We want ourselves to be acclaimed as a Muslim nation. But taking into account whatever little but definite I know about Islam, I would never believe that the true Muslims would ever have formed such a society as what we have today which perhaps should be considered as diametrically opposite to the real Islamic culture. No doubt, exceptions are always there; and here I must admit it by repeating the words of Prof. C.S. Lewis, that "if there are any exceptions among you, I apologise to them. They'd better switch on to another station, for nothing I am going to say concerns them."

And turning to the point, it is true that there are many of us who are fully convinced of the Divine Message (the Quran) and hold enlightened minds. But it is not enough only to be convinced intellectually. A Muslim in the true sense is the one who assimilates the transcendental Quranic values into his heart and reflects them through his character. According to the holy Quran,

> "Thou wilt not find a people who believe in Allah and the latter day loving those who oppose Allah and His Messenger, even though thay be their fathers, or their sons, or their brothers, or their kinsfolk. These are they into whose hearts He has impressed faith, and strengthened them with a Spirit from Himself". (58:22)

We, however, must realize the truth that to become a Muslim is not a simple thing. We are Muslim by birth, which is a "passive and accidental" phenomenon altogether. We have to become Muslim by choice now, which means a free, rational submission with utmost loyalty and commitment to the laws of Allah while over ruling all man-made laws and self-fabricated ethos which confront the spirit of the Revelation. (See 25:73 of the Quran) The real culture of Islam is highly dynamic and challenging, so much so that no other culture can ever compete it Thus a weak personality cannot afford to be a Muslim. I feel very sorry to say that the display of

basically the inspirer. Thus each individual poses his/her own uniqueness a importance by virtue of the role and responsibility one has to perform to upgrade t mental stature and social existence.

As a matter of fact ,there is not a very big number of individuals throughc the world who are fully aware of their real role in the society of human beings,who high goals in life and struggle to make the world a better place to live.These are t enlightened souls, whose hearts are warm,whose minds are calm.They march on in unflinching way to uphold the task of character building and the collective good of human family.They remain commited to the truth and hold conviction in the intrin worth of their constructive forwardness without caring for the fruitfulness of th efforts in their own life times. Such are the people whose presence checks evil prev and helps our humanness grow and flourish. Such are the people who truely kno what a sane individual is bound to do irrespective of the circumstances an restrictions, and I must stress that any society with even a small minority of suc people need fear nothing. This is the locus of all other points that I have tried t discuss next particularly regarding my own society.

First of all, let me lament the fact that such great and indomitable people ar gradually disappearing from the horizon of our country. Throughtout the passage o our history, the process of retrogression was never so rapid as we can see accelerating today:

We are being ruled by characterless people, and this seems all the more reason why we have lost the sheer sense of responsibility and character. Not many of us believe in a soulful existence and possess the higher vision of life. Our priorities have changed, our commitments are cheap and shaky, minds are in utter confusion, energies are misdirected, social injustices are making efforts futile and subverted, the vulture of destitution is stretching its wings, moral worth of individuals is declining, the air is suffocating because of inhibition and perversion, and there is an uproar of general characterlessness among the people, fading away the sparkling sense of optimism an vitality. Yes, things are getting deteriorated, and the nation is in its bad shape. Bu who is ready to take the responsibility? Is there any such great soul? Aren't we th responsible citizens of this State? Then why is it that every single person of our country mourns the evils of this society, as if "society" is the name of some alien ghost causing all havoc and disorder. What about our mental staleness, and our adherence to ignorance? Why is there intolerence and fanaticism of our confronting creeds? It is very well stated by a wise person that "our minds are like parachutes which work only when open" Can't we help breaking the chains of our intellecual stagnation which is checking all progress and the ascention of social plane. It is doubtless that the vested interest of our country would never allow this nation to think and awake, for they know, more than any of us, that once a nation starts thinking, no one can stop it, and

VOICE OF YOUTH

WAITING FOR A MESSIAH

By

Akbar Mushtaq

From time to time, we receive contributions and querries from the youth of the country, particularly students from Pakistan or from those studying abroad. We do feel that some of these deserve a pride of place in the Tolu-e-Islam Magazine. We must not forget that it is the youth of today (The ***"Salim and Tahira"*** of Babaji) who will be the writers and leaders of tomorrow.

This month we are including an article "Waiting for a Messiah" by Akbar Mushtaq, a graduating student of Government College, Lahore. (Editor)

.....*May we*
In future years be found with those who try
To labour for the good until they die,
And ask no other question than to know
That they have helped the cause to victory,
That with their aid the flag is raised on high.

(T.S. Eliot)

Such are the men of great vigour and high calibre who exert the maximum out of them to upgrade their people and strive for the universally constructive ends. It is not necessary that we see all such people through the glass of time; countless are the souls whose greatness dwells in the quietness of history. No doubt at individual level all human beings are not shaped on the same pattern considering their varied talents and the area of work. Neither nature puts such heavy burden on any one individual to construct single-handedly the edifice of a nation. Social construction or the uplift of a country is a mutual task shared by all the individuals of a society--- while a leader is

When they set there eyes on the people of the by-gone era History was born, and when they turned their inquiring eyes onto the ruins of bye gone era, Archaeology came into being.

Suffice to say that by research on just one Ayat of the Quran three quite separate fields of knowledge came into being. For as long as ever the Musalman recited the Quran in the spirit of acquiring knowledge and putting that knowledge into practice, the lot of Musalman was a happy one. Since, however Muslims started to recite the Quran to earn Sawaab and to purge the sins of the dead, they have fallen from grace. The people Allah blessed with the leadership of the World, joined the que of beggars.

Dear reader, until and unless, we pay heed to and put into practice, what Hakeem-e-Ummat Allama Iqbal has said in one of his Persian Poems, we will never undo the mistakes that we have made and are continuing to make. For ease of understanding, I have translated the poem thus:

"Aye Musalman if you wish to live your life as a Musalman you have no choice, but to make the Quran your guiding light."

Dear reader, it is only the Quran, by following which Musalman can regain their past glory.

◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆

Following books by Ms. Shamim Anwar are available at the Tolu-e-Islam Trust:

1) Sir Syed Ahmed Khan as an Educationist.

2) Pakistan Idea.

3) Woman -- Recreated.

Why?

There are a multitude of reasons, why this does not happen. I will however, go straight to the main question.

Amongst what kind of people are such geniuses born? They are born amongst the people who are mentally strong. Where mothers (all women) are regarded as equal and valued members of the human race. Where all women have the confidence that comes with acquired knowledge and a good education. Where children are given a proper and a decent standard of education, not just information. Where the children from a very young age are nurtured, guided and taught the permanent human values and above all are allowed to blossom and develop their own independence of thought.

A child's upbringing and education (تعلیم و تربیت) starts from the mothers womb and the warm, secure, loving and joyous atmoshphere of the home. The children fortunate enough to have been born to such mothers, as described above and benefited from such an upbringing, do certainly grow up to be intelligent (ذہین) It is from these children that we may find one or two geniuses coming up. This system then repeats itself and these geniuses then change the destiny of their people. Dear reader, this in my humble view is the secret of bearing offsprings that are both bright and intelligent.

If we look at the Muslims of the by-gone years, we find that they have excelled in almost every field. Some of their achievements have been so great that Europe and America (طوباً و کرباً) exclaim that "The Arabs are our masters" (Ustad). People of knowledge know that for quite some time after the dawn of Islam, The Arabs possessed no books other than the Quran. A question therefore arises. What was it that created the love of knowledge in the Arabs? What was the spirit that compeled them so to take up the cudgle and strive for the aquisition of knowledge? It is obvious that there can be but one answer and that answer, is the teaching of the Deen of Islam. They studied every word and letter of the Quran with the spirit of acquiring knowledge and understanding the message of Allah.

I will give just one example that will prove the point. We recite Quran-e-Hakeem's Aayaat-e-Mukadisa and then pass over to the next Ayat. The translation of the Ayat is as follows.

Don't people wandering on Earth see? What fate befell the people that have gone before them?

They researched this Ayat thoroughly: from (یسیروفی الارض) they extracted travel (سیاحت) from (ارض) the Science of Geography took shape.

ہو میرا کام غریبوں کی حمایت کرنا
درد مندوں سے ضعیفوں سے محبت کرنا

May I nurture such ambitions, that supporting, lending a hand, looking after the impecunious, impoverished and the needy, becomes my hobby.

And treating with respect, dignity and love those that either through ill health or old age are no longer able to look after themselves, becomes my hallmark.

The child then makes the following wish for himself:

میرے اللہ ہو برائی سے بچانا مجھ کو
نیک جو راہ ہو اس راہ پہ چلانا مجھ کو

Oh Lord of all the Heavens and the Earth, I am in Thy protection, help me, save me from all the paths and deeds that go against your law.

Show me the path, following which there is but peace, joy, and tranquillity.

Addressing the young readers I would add that Iqbal, in his writings has presented the Quran. And since the Quran does not simply address itself to the Arabs, the people of Pakistan, India, Bangladesh, Afghanistan, Iran, or a few million Europeans in Bosnia, but addresses the whole of humankind. Iqbal's message is therefore universal. He is from amongst those few men and women, who have like a shining beacon, shown humankind the way to its destiny, wherein a nation's greatness is not measured in the number of people, whom it has subjugated and whose expectations it has diminished. Rather where a nation's greatness is measured in the number of people from whom it has lifted the cloud of subjugation and restored independence of thought, self-respect, dignity and self-reliance.

You, my friends, can take pride from the fact that he was from amongst you. He is your Hero and the best compliment that you, the young can pay him is not simply by applauding the speeches that you hear, but in striving to understand his message and trying to emulate it.

The purpose of presenting an exposition of this poem were two-fold:

The first objective was to show to our young, what aspiratons, desires, ambitions and objectives, a bright and a talented child, a Musalman child carries within him or herself, in the hope that they will take heed and try to emulate the message.

The second objective was to try and look at how the child that Iqbal has presented comes to be born. The birth of a genius amongst a people that are free, is not such a big deal. If one looks at Europe or America, one sees one genius after another. This is not so in the people that have been subjugated.

in other words :

Help me develop all the qualities of character, with the help of which may I bring to the fore from within me, all that is good in the human animal and put this to use to negate all that is negative and evil in this world.

The child then says:

ہر جگہ میرے چمکنے سے اجالا ہو جائے

Help me develop such qualities that, where ever my message is received, may peace, harmony and tranquillity follow in its wake.

What beautiful aspiration does the child then expresses:

ہو میرے دم سے یونہی میرے وطن کی زینت
جس طرح پھول سے ہوتی ہے چمن کی زینت

Dear reader, a Musalman does not have a particular home land. A Musalman's home is the planet called earth. The Musalman child expresses his aspiration. thus

Through my concern for, and thoughts about the future, may such a political, social and economic system come into being, through which,

(1) May all racial disharmony disappear and

(2) May every man, woman and child in the world become free from the fear of the lack of basic human needs.

This system, will be the jewel in the crown. Through this the world will indeed become a beautiful place, just as the garden's beauty is enhanced by the flowers.

The child's aspiration is so thought-provoking, that it leaves one intoxicated if one tries to think about it. Humankind has been blessed with free thought and free will. Through the misuse of both these attributes, man has turned the world into jahannum (Hell). The world was in fact heaven (Jannat) to begin with and another word for Jannat is..... garden!

The child then makes the following wish:

زندگی ہو میری پروانے کی صورت یارب
علم کی شمع سے ہو مجھ کو محبت یارب

Aye my Rub, dear God, my Provider and Sustainer, make me from amongst those learned people, whose love is the acquisition of knowledge and who are forever in search of knowledge, so that I too may realise the purpose of my life.

Which is?

An Exposition of Dr. Sir Allama Iqbal's Poem, "Bachay Ki Dua"

By the Late Khawaja Muhammad Rafique
Translated by Khawaja Muhammad Iqbal

In this exposition of Dr. Sir Allama Iqbal's poem "Bachay Ki Dua" (a child's prayer, which could also be translated as a child's request to God), I have endeavoured to look at two distinct but related aspects. The first aspect I have looked at is the aspirations, desires, ideals, ambitions, cravings, yearnings, hope, and objectives that a Muslim child carries within him or herself, as presented by Dr. Sir Allama Iqbal in the said poem.

Secondly I have tried to expound, how, the child presented by Allama Iqbal, in the said poem, comes into being.

Iqbal is a literary giant of enormous proportions. It is my hope that I, lesser than a lilliputian, can do justice to his work. It is with this very humbling thought in mind and a heavy burden in the heart, that I have written this exposition.

BACHAY KI DUA

In this poem, which consists of six verses, Iqbal has presented in the most beautiful way, a Muslim child's yearnings, aspirations, desires, ambitions, hopes and objectives, in the child's own words. The child begins with these words.

لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری

My wish transforming into supplication, flows like a fountain to my lips and what is that wish?

زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری

Dear God, Sustainer of all things, make my life akin to a beacon, a candle light. pure and devoid of all impurities.

Just as the beacon turns darkness into light so people may benefit from it, thus may I enhance the life of others.

The child then expresses his yearning in the following manner.

دور دنیا کا میرے دم سے اندھیرا ہو جائے